قندیلِ سلیمان

1

سہ ماہی کتابی سلسلہ

جولائی تا ستمبر ۲۰۱۳ء

خانقاہ معلیٰ

حضرت مولانا محمد علیؒ، مکھڈ شریف (اٹک)

خواجۂ خواجگان، پیرِ طریقت
حضرت خواجہ غلام زین الدین چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ
آستانۂ عالیہ ٹبہ شریف، ترگ (میانوالی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سہ ماہی مجلّہ

قندیلِ سلیمان

مکھڈ شریف (اٹک)

جولائی تا ستمبر ۲۰۱۳ء

بفیضانِ نظر: شہباز چشت حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

بیادگار: حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ مکھڈ شریف

تصوف و روحانی اقدار کا ترجمان

ہدیہ سالانہ: تین صد روپے

فی شمارہ: ایک سو روپے

سرکولیشن منیجر: فدا حسین ہاشمی ● کمپوزنگ: محمد بلال ● تصاویر: محمد زاہد محمود

پرنٹر، پبلشرز: نظامیہ دارالاشاعت، خانقاہ معلیٰ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی، مکھڈ شریف (اٹک)

فون: 0343-5894737، 0333-5456555

ای میل: Qandeel.e.suleman@gmail.com، Sajidnizami92@yahoo.com

فہرستِ مندرجات

☆ اداریہ	محمد ساجد نظامی	۴

گوشۂ عقیدت:

☆ حمدِ باری تعالیٰ	مولانا محمد علی مکھڈیؒ	۶
☆ نعتِ رسولِ مقبولؐ	مولانا محمد علی مکھڈیؒ	۷
☆ منقبتِ خواجہ اجمیرؒ	داغ دہلوی	۹
☆ منقبت حضور نظام الدین اولیاؒ	امیر خسرو/ڈاکٹر اسلم فرخی	۱۰
☆ منقبت خواجہ زین الدین مکھڈیؒ	خالد محمود نقشبندی مجددی	۱۲

چمنستانِ بصیرت:

☆ درسِ رومیؒ	ادارہ	۱۴
☆ پیغامِ اقبالؒ	ادارہ	۱۵

خیابانِ مضامین:

☆ نذرِ صابری کی ایک تازہ نعت	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	۱۶
☆ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ	محمد ساجد نظامی	۲۰
☆ حضرت خواجہ زین الدین چشتی نظامیؒ	محسن علی عباسی	۳۰
☆ معاشرتی جمالیات	ملک محمد توقیر احمد	۳۶
☆ تصوف	سیّد شاکر القادری	۴۲

بستانِ نعت:

☆	نعتِ رسول ﷺ	ارشد محمود ناشاؔد	۵۹
☆	نعتِ رسول ﷺ	شہاؔب صفدر	۶۰
☆	نعتِ رسول ﷺ	سیّد نصرؔت بخاری	۶۱
☆	نعتِ رسول ﷺ	حسین امجؔد	۶۲

حدیقۂ شریعت:

☆	نماز: اہمیت و مسائل	حضرت خواجہ زین الدینؒ	۶۳

نغمۂ عرفان:

☆	ابد کے طاق پہ رکھے ہوئے چراغ	عبدالعزیز ساحؔر	۹۴

دریچۂ انتقاد:

☆	سہ ماہی مجلّہ فروغِ نعت	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاؔد	۱۱۰

مولانا محمد علیؒ مکھڈی خواجہ خواجگان حضرت شاہ محمد سلیمانؒ تونسوی کے مرید و خلیفہ تھے۔اپنے پیرومرشد کے حکم سے ہی مکھڈ جیسی دور افتادہ بستی میں ایک علمی و روحانی درس گاہ کی بنیاد رکھی۔شالی ہند، کابل وقندھار اور بخارا و سمرقند سے علمی و روحانی تسکین کے لیے تشنگان صدق و صفا کشاں کشاں کھنچے چلے آتے اور اس منبہ فیض سے بہرہ مند ہوتے۔انھیں تشنگان میں مہاراں شریف سے حضرت خواجہ عابد جی مہارویؒ، سیال شریف سے حضرت خواجہ شمس الدینؒ سیالوی اور انگہ (خوشاب) سے زین الحق و الدین ؒ تشریف لائے اور علمی فیوض و برکات سے مستنیر ہوئے۔ایک روایت کے مطابق جب مولانا محمد علی مکھڈیؒ کو حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ نے بیعت وخلافت سے نوازا تو، تونسہ مقدسہ میں عرصہ دراز سے مقیم درویشوں نے مل کر حضرت غوثِ زماں کی بارگاہِ عرش پناہ میں عرض کی کہ حضور ہم مدت سے جس کی خواہش کو دل میں رکھے آپؒ کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔مولانا محمد علیؒ مکھڈی تھوڑے عرصے میں ہی اس منزل کو حاصل کر لیتے ہیں۔حالانکہ ہم اس لطف وعنایت کے زیادہ مستحق ہیں۔ہم پر کرم نہیں ہوا اور مولاناؒ پر انوار و تجلیات کی بارشیں ہوگئیں۔تو جواب میں شاہ محمد تونسویؒ نے فرمایا کہ ''مولوی صاحب مکھڈی نے اپنے چراغ کا سب سامان تیار کیا ہوا تھا۔میں نے صرف فتیلہ کو آگ لگا کر روشن کر دیا ہے''

(بحوالہ: تذکرۃ الولی، مولانا محمد الدینؒ مکھڈی، ص ۳۷)

ہم غلامانِ حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمانؒ تونسوی و حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی ''قندیلِ سلیماں'' کی ضیاپاشیوں سے اپنے اور احبا کے قلوب و اذہان کو منور کرنے کے لیے یہ سلسلہ محبت شروع کر رہے ہیں۔سہ ماہی ''قندیلِ سلیماں'' کے کتابی سلسلے کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔جس میں اہل علم ونظر کی خدمت میں چند جواہر پارے پیش کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمانؒ تونسوی کے انوار و تجلیات نے کائنات میں جہاں جہاں

اپنی کرنوں کو بکھیرا ہے ان کا تذکرہ ''قندیلِ سلیماں'' میں پڑھنے کو میسر ہوگا۔ یہ شمارہ جن احباب اور اساتذہ کی تخلیقات اور مضامین سے مزین ہے، میں ان کا ممنون ہوں اور آئندہ بھی ان سے تعاون کا سوالی ہوں۔ آخر میں اللہ رب العزت کی بارگاہِ بے کس پناہ میں دست بہ دُعا ہوں کہ وہ اپنے پیارے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے صدقے اس سلسلہ کو ابد الآباد تک قائم و دائم رکھے۔ آمین بجاہ نبی الامی.

مدیرِ اعلیٰ

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

__________ علامہ محمد اقبالؒ

حمدِ باری تعالیٰ

______ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ

جلوہ گر در دو جہاں غیرِ خدا نیست کسے
از حریمِ وصلش ماندہ جدا نیست کسے

ہر چہ در دیدۂ تو نشو و نما میدارد
ہمہ فانی است بخود اہلِ بقا نیست کسے

آدمی گو زِخلائق بسریرِ ایجاد
متمکن بہ سرِ صدق و صفا نیست کسے

گر خدا می طلبی صحبتِ رنداں مگوار
ہم چوں شاں سوئے خدا راہ نُما نیست کسے

زاہدا! طعنہ برنداں ز سرِ فخر مزن
کہ چوں ایناں بہ رہِ عشق و وفا نیست کسے

مولوی سجدہ کہت بارگہ پیرِ مُغاں است
کہ بجز او بہ پیچ سجدہ سزا نیست کسے

نعت رسولِ مقبول ﷺ

حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ

اے شدہ از خاکِ پایت سرمہ حور و پری
کے تواند کرد با حُسنِ تو یوسف ہمسری

صد ہزاراں ہمچوں موسیٰ طالبِ دیدارِ تو
رُخ مپوش از عاشقاں اے آفتابِ خاوری

ہر ولی و ہر نبی از فیضِ تو شد بہرہ مند
کس نپوشید است چوں تو خلعتِ پیغمبری

خاکسارانِ تو از شاہانِ عالم بر تر اند
بر ہمہ شیراں سگِ کوئے تو دارد مہتری

کے تواں مثلِ تو گفتن در جمیع کائنات
زانکہ از مُلک و ملک و زجن و انس افزوں تری

بادشاہانِ جہاں گر شربتِ عشقت چشند
تلخ گردد بر دلِ شاں تخت و تاج و سروری

دلبرانِ ایں جہاں از حُسنِ رویت غافل اند
ورنہ کے در دل بماند فخر و ناز و دلبری

کشتۂ عشقت نہ گردد زندہ با صد چوں مسیح
تا مگر دامن کشاں بر مُشتِ خاکش بگذری

تر نہ گردد تشنہ روئے تو با آبِ حیات
از شکر شیریں تری وز آبِ حیواں برتری

گر نہ بودی کے بدے افلاک وحیوان ونبات
وصفِ تو دیگر چہ گویم بہتر از ہر بہتری

راہِ خدا گم کردہ را بہرِ خدا فریاد رس
اے کہ در راہِ خدا صد بار خضر رہبری

کن منوّر از جمالت دیدۂ اہلِ طلب
اے کہ بر چرخِ فلک ماہِ منوّر انوری

مولویؔ جامِ مئے عشقِ ترا دارد ہوس
چہ عجب گر از سگانِ کوئے خاصش بشمری

منقبت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

________ داغ دہلوی

مظہر نورِ دیں معین الدینؒ
آفتابِ زمیں معین الدینؒ

خواجہ خواجگانِ ہندوستاں
بے گماں بایقیں معین الدینؒ

سرورِ انبیاء رسول اللہ ﷺ
حامیِ مسلمیں معین الدینؒ

میں تیرے آستاں کا خاک نشیں
تو میرا دل نشیں معین الدینؒ

المدد المدد! کہ تیرے سوا
کوئی میرا نہیں معین الدینؒ

درِ فردوس پر ہو آپؒ کا ہاتھ
اور یہ آستیں معین الدینؒ

وہ جہاں ہیں وہیں ہے دل میرا
میں جہاں ہوں وہیں معین الدینؒ

داغؔ تیرا ہی دم بھرے جائے
تا دمِ واپسیں معین الدینؒ

شانِ خواجہؒ، مولفہ و مرتبہ سید محمد ولایت حسین رضوی اکبرآبادی، ابوالعلائی اسٹیم پریس، آگرہ، ۱۹۱۴ء

منقبت حضور خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

کلام: حضرت امیر خسرو

ترجمہ: ڈاکٹر اسلم فرخی

باش تا پردہ براندازد جہاں از روئے کار
وانچہ امشب کردہ ای فردات گردد آشکار

غوثِ عہد وقطبِ عصر، اعظم نظام الحق کہ ہست
پادشاہے فقر و بر ملکِ ولایت شہریار

آں محمد نام کز رتبت رسولِ پاک را
یارِ پنجم شُد کہ در ہر جا خدایش باد یار

ہم صفا با آدم و با پورِ مریم ہم نفس
ہم قدم با خضر و با موسیٰ عمراں دست یار

مقتدائے مقتدایانِ طریقت خواجہ ای
کز ازل مسعود گشت و تا ابد شد بختیار

بر زبانت چوں خطابِ بندہ ترک اللہ رفت
دست ترک اللہ بگیر و ہم بہ اللّٰہش سپار

چوں منِ مسکیں ترا دارم ہمینم بس بود
نیست حاجت خواہشِ آمرزشِ آمرز گار

اُردو ترجمہ:

۱۔ ذرا انتظار کر کہ دُنیا تیرے عمل کے چہرے سے پردہ اٹھا دے اور جو کچھ تو نے آج رات کیا ہے وہ آنے والے کل میں ظاہر ہو جائے۔

۲۔ اپنے عہد کے غوث، زمانے کے قطب، عظیم مرتبے کے حامل نظام الحق، سلطنتِ فقر کے بادشاہ، ملکِ ولایت کے شہریار۔

۳۔ آپ کا نام محمد (ابنِ احمد) ہے، اس نام کی برکت سے آپ رسول پاک ﷺ کے پانچویں یار شمار ہوتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ ہر جگہ آپ کا یار و مددگار رہو۔

۴۔ آپ پاکیزگی میں حضرت آدمؑ کی نظیر اور ابنِ مریمؑ کے ہم نفس ہیں۔ خضر کے ساتھ چلنے والے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کرنے والے ہیں۔

۵۔ طریقت کے رہنماؤں کی سرداری کرنے والے سردار۔ روزِ ازل سے مسعود اور تا ابد بختیار قرار دیئے گئے ہیں۔

۶۔ چوں کہ آپ نے زبانِ مبارک سے اس غلام کو ترک اللہ کا خطاب عطا فرمایا، اس لیے دستگیری فرمایئے اور ترک اللہ کو اللہ تک پہنچا دیجیے۔

۷۔ مجھ مسکین کو آپ حاصل ہو گئے، میرے لیے یہی کافی ہے۔ اب مجھے بخشنے والے کی بخشش کی آرزو نہیں ہے۔

منقبت

حضرت خواجہ زین الدینؒ چشتی نظامی ترگ شریف (میانوالی)

_____________ خالد محمود نقشبندی مجددی

زین الدینؒ وَلی قبلۂ اہلِ دیں
تو ہے دُرجِ ولایت کا دُرِّ ثمیں

لا الہ کی تفسیر تیری نظر
مصدرِ ہر ضیاء تیری لوحِ جبیں

شہ سلیمانؒ کی آنکھوں کا تارا ہے تو
آئینہ دار حُسنِ نظام الدینؒ

تیرا حُسنِ تصور ہے مشکل کشا
ہر توجہ ہے تیری کرم آفریں

عشق کا دین و ایماں ہے تیری نظر
تیرے دامن کا سایہ ہے خُلدِ بَریں

تیرے در سے ملی نسبتِ مصطفیٰ ﷺ
تیری نسبت ہے سب عظمتوں کی امیں

تیری نسبت نے روشن کیا ہے مجھے
تو اُجالا ہے میرا میں کچھ بھی نہیں

نازنینوں نے بھی ناز اٹھائے میرے
درد تیرا ہوا جب سے دل میں مکیں

جس نے دیکھا تجھے دیکھتا ہی رہا
تو نے پائے ہیں انداز کتنے حسیں

یہ بھی تیرا کرم ہے یہ تیری عطا
ڈگمگاتا نہیں ہے جو میرا یقیں

میرے ماتھے کا جھومر ہے نسبت تیری
عشق تیرا ہے خاتم دل کا نگیں

منبعِ فیض ہے آستانہ تیرا
آسماں ہے ترے آستاں کی زمیں

سوئے خالدؔ بھی ہو اِک نگاہِ کرم
آسمانِ ولایت کے ماہِ مُبیں

درسِ رومی

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر
کز دیو و دد ملولم و انسانم آرزوست
زیں ہمرہانِ سُست عناصر دلم گرفت
شیرِ خدا و رُستمِ دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جُستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

(مثنوی مولانا رومؒ)

ترجمہ:

ا۔کل ایک بزرگ دیا ہاتھ میں لیے شہر میں گھوم رہے تھے اور کہتے تھے میں پھاڑنے والے جانوروں اور وحشیوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ مجھے ایک انسان (کامل) دیکھنے کی خواہش ہے۔

۲۔ میں ان ست اور کاہل ساتھیوں سے دل گیر ہو چکا ہوں۔ مجھے ایسے شیر صفت انسانوں کی ضرورت ہے جو اللہ تعالٰی کے شیر ہوں۔ اور رستم (ایرانی پہلوان) کی سی طرح کی طاقت رکھتے ہوں (یعنی میں روحانی اور بدنی قوت رکھنے والے لوگوں کی خواہش رکھتا ہوں)۔

۳۔ میں نے جواب میں کہا ہم نے بہت زیادہ تلاش کی۔ ہمیں ایسے لوگ نہیں ملتے۔ اُس نے کہا جو نہیں ملتے مجھے ان ہی کی تلاش ہے۔

راہِ شب چوں مہرِ عالم تاب زد
گریۂ من بر رُخِ گُل آب زد

اشکِ من از چشمِ نرگس خواب شُست
سبزہ از ہنگامہ ام بیدار رُست

ذرہ ام مہرِ منیر آنِ من است
صد سحر اندر گریبانِ من است

(اسرارِ خودی)

ترجمہ:

۱۔ جب دنیا میں نور پھیلنے والے سورج نے رات کا اندھیرا ختم کر دیا تو پھول کے چہرے پر میرے آنسوؤں نے پانی چھڑکا۔

۲۔ میرے رونے اور گریہ زاری نے نرگس کے پھولوں کی آنکھوں سے نیند کے اثرات دور کر دیے۔ میرے شوروغل سے سبزہ بیدار ہوا اور زمین سے باہر نکل آیا۔

۳۔ اگرچہ میں ایک ذرہ ہوں لیکن آفتاب کی ساری روشنی میرے ایک لمحے کے برابر ہے۔ کیونکہ میرے گریباں میں کئی صبحیں چُھپی ہوئی ہیں۔ یعنی ہر روز نئی صبح کی صلاحیت رکھتا ہوں۔

نذر صابری کی ایک تازہ نعت: کمالِ فکروفن کا شہکار

تعارف: ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

نذر صابری عہدِ رواں کی ایک ہمہ رنگ اور متنوع جہات شخصیت ہیں۔ تحقیق، تدوین، نسخہ شناسی، تنظیم سازی اور شاعری کے میدانوں میں انھوں نے عمرِ عزیز کے ستر سال صرف کر کے ان شعبوں کی رفعت اور ثروت میں اضافہ کیا ہے۔ جالندھر اُن کا مولد ومنشا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد لاہور آ گئے ۱۹۴۸ء میں گورنمنٹ کالج کیمبل پور (حال: اٹک) میں بہ طور کتاب دار اُن کا تقرر ہوا۔ پھر یہ شہر ان کے قدموں سے یوں لپٹا کہ ہمیشہ کے لیے اُن کا مستقر بن گیا۔ اٹک میں انھوں نے محفلِ شعروادب اور مجلسِ نوادراتِ علمیہ کی داغ بیل ڈالی۔ ان تنظیموں نے بلاشبہ اپنے پچاس سالہ سفر میں اٹک کے علمی وادبی افق کو ضیابار کیا اور یہاں کے اہلِ قلم کی عمدہ خطوط پر تربیت کا فریضہ انجام دیا۔

میدانِ شعر میں نعت کی صنف صابری صاحب کی توجہ کا مرکزِ اوّل ہے۔ اگر چہ انھوں نے دیگر اصناف میں بھی کلام کہا ہے مگر نعت ان کی محبوب ومرغوب صنف ہے۔ انھوں نے نعت کی تخلیق کے ساتھ ساتھ محفلِ شعروادب، اٹک کے ذریعے فروغِ نعت کا جو کارنامہ انجام دیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ محفل کے زیرِ اہتمام نعت کے حوالے سے منعقدہ نعتیہ مجالس، طرحی نعتیہ مشاعرے، مذاکرے، تنقیدی اجلاسوں اور کتابوں کی اشاعت نے یہاں کے لکھنے والوں کو کاروانِ نعت کے حدی خوانوں میں شامل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ پچھلے تیس چالیس برسوں میں نعت کی صنف کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا ہے۔ نعت شاعری کی اہم اصناف میں شمار کی جانے لگی ہے۔ اگر چہ پورے عالم میں اُردو نعت لکھی جا رہی ہے مگر پاکستان میں لکھی جانے والی نعت مقدار اور معیار ہر دو اعتبار سے لائقِ تحسین ہے۔ شعرا نے نعت کے موضوعات، اسالیب، ہیئت اور لفظیات میں رنگ رنگ کے تجربے کر کے اس صنف کو نئے امکانات کی بشارت

دی ہے۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ جدید نعت کے قافلہ سالاروں میں نذر صابری کا نام بھی شامل ہے۔ ان کا نعتیہ مجموعہ ''واماندگیِ شوق'' نعتیہ ادب میں اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔

نذر صابری کی زیرِ نظر تازہ نعت عشق و مودت کا بہترین اظہاریہ اور فکر و فن کا عمدہ نمونہ ہے۔ موضوعات کی رنگا رنگی، اسلوب کی تازہ کاری، لفظیات کے چناؤ، بحر کی کرشمہ کاری اور تکنیکی عناصر کے معجزانہ استعمال نے اسے شہ کار بنا دیا ہے۔ اس نعت کے لیے ''صنم'' کی ردیف استعمال کی گئی ہے۔ میری معلومات کے مطابق اُردو نعت کی تاریخ میں یہ ردیف پہلی بار استعمال ہوئی ہے۔ اس نوع کی ردیفوں کو کامیابی سے نبھانا سچ مچ تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ نذر صابری نے کمالِ فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''صنم'' کے معنویاتی دائرے کو وسعت بخشی ہے۔ نعت کے لیے قافیہ بھی مشکل اختیار کیا گیا ہے۔ ''صنم'' ردیف کے ساتھ ''خدا'' کے قافیے کو نعتیہ موضوع کی پیش کش کے لیے استعمال میں لانا کس قدر کٹھن اور دشوار ہے، اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں؛ لیکن نذر صابری صاحب نے نہایت آسانی کے ساتھ تاثر سے بھرپور اور معنویت سے لبریز شعر کہے ہیں۔ نذر صابری ایک سچے عاشقِ رسول اور صوفیِ باصفا ہیں۔ سیرتِ رسولؐ کے ہمہ رنگ واقعات اور صفاتِ رسولؐ کی ہمہ رنگ تجلیات نے ان کی فکر کو گیرائی اور گہرائی کی سرشاری عطا کی ہے جو اس نعت کے اشعار میں جا بہ جا اظہار کرتی ہے۔ نعت بحرِ رجز مثمن مطوی مخبون [مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن] میں لکھی گئی ہے۔ اس بحر کا حسن یہ ہے کہ ہر مصرع دو برابر حصّوں میں منقسم ہو جاتا ہے اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان ایک مختصر وقفہ یا بسرام پیدا ہوتا ہے جو نغمگیت اور موسیقیت میں اضافہ کرتا ہے۔ قرۃ العین طاہرہ، غالب اور اقبال نے اس بحر میں لافانی غزلیں کہی ہیں۔ نذر صابری نے اس بحر کو نعت کے لیے انتخاب کر کے نغمہ آشنائی کا ثبوت دیا ہے۔ بعض مصرع ہائے اولیٰ کے دونوں ٹکڑوں میں قافیے کے التزام نے موسیقیت کی اس تاثیر کو مزید بڑھا دیا ہے۔ الفاظ کی بندش اور مصرعوں کا در و بست مثالی ہے، کہیں بھی کوئی لفظ بے مقام دکھائی نہیں دیتا۔ اشعار حشو و زواید سے پاک اور تعقید سے دُور ہیں۔ نعت میں مختلف تکنیکی عناصر کو فکر کی عمدہ پیش کش کے لیے

استعمال میں لایا گیا ہے مگر کہیں بھی تصنع اور تکلف کا گمان نہیں گزرتا۔ یہ تکنیکی عناصر فکر کے ساتھ یوں گھل مل گئے ہیں کہ انھیں الگ کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ تراکیب کی سحر کاری اور تلمیحات کی ندرت اس پر مستزاد ہے۔ نذر صابری صاحب کی یہ نعت وفورِ عقیدت وارادت کے باوجود حزم واحتیاط اور ضبط وتوازن کی ایک عمدہ مثال ہے۔ یہ تحفۂ لافانی ہے، جو عاشقانِ رسولؐ اور وابستگانِ نعت کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے:

نعت

بت کدۂ صفات میں ، تنہا خدا نُما صنم
جھک گئے سامنے ترے ، کفر کے سب خدا صنم

سجدہ کو مضطرب جبیں ، تُو نے کہا: "نہیں نہیں"
رُک گیا قافلہ وہیں ، ضبط کی انتہا صنم

اے بتِ ابطحی لقب ، اُمی و افصح العرب
دانش و حکمت و ادب ، سارے ترے گدا صنم

رحمتِ کائنات تُو ، خواجۂ شش جہات تُو
میری نگاہ کا وطن ، تیری ہر اِک ادا صنم

عالمِ ہست و بود میں ، غیب میں اور شہود میں
گر ہو خدا حدود میں ، کہہ دوں تُجھے خدا صنم

سدرہ و دَرج و دوکماں ، تیرے عروج کے نشاں
وہم و خیال سے پرے ، عقل سے ماورا صنم

منزلِ عفو و درگزر ، مہبطِ بخشش و عطا
تیری نگاہِ لطف سے ، میری خطا ، خطا صنم

اقوال

خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ

ا۔حق تعالیٰ پر اعتماد رکھنا چاہیے اور کسی اور کی طرف نظر (امید) نہیں لگانی چاہیے۔

۲۔جو بھی دنیا کی لگاوٹ سے دور رہے گا، معزز ہوگا اور اگر کوئی دنیا کی لگاوٹ کے باوجود بھی معزز ہو تو اس کی عزت عارضی ہوگی۔

۳۔اگر تم تنکے کی طرح ہوا کے ہر جھٹکے سے لرزو گے تو پہاڑ ہو کر بھی تنکے کے بھی مول نہ رہو گے۔

۴۔جو جھیلتا ہے وہ مارتا ہے اور جو برداشت کرنے والا ہوتا ہے وہ مار ڈالنے والا ہوتا ہے۔

۵۔بُرا چاہنا، بُرا کہنے سے بھی بُرا ہے۔

(فوائد الفواد...... ملفوظات حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ)

حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ۔۔۔۔۔ احوال و آثار

محمد ساجد نظامی

ابتدائی حالات: حضرت مولانا محمد علی مکھڈی ۱۱۶۴ھ بہ مطابق ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا نام مولانا محمد شفیع تھا۔ صاحب تذکرۃ المحبوب نے آپ کا نسب نامہ یوں رقم فرمایا ہے؛

مولانا محمد علی ابن محمد شفیع ابن محمد داؤد جلال آبادیؒ

آپ کی پیدائش مشرقی پنجاب کے معروف شہر بٹالہ (ضلع امرتسر) میں ہوئی۔ نامور صوفی بزرگ حضرت شاہ غلام علیؒ نقشبندی دہلوی آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔

تعلیم و اساتذہ: مولانا کے والدین کا انتقال ان کی صغیر سنی میں ہی ہو گیا تھا۔ آپؒ کی پرورش آپؒ کے برادرِ اکبر مولانا عبدالرسولؒ کے زیرِ سایہ ہوئی۔ آپؒ نے ابتدائی تعلیم بھی انھی سے حاصل کی۔ فنِ کتابت میں میاں جنوۃ اللہ بٹالوی آپؒ کے استاد ہیں۔ بعد ازاں طلب علم کی غرض سے بہ اجازت برادرِ اکبر اپنے وطن کو خیر باد کہا اور مختلف اساتذہ سے کسبِ فیض کرتے مکھڈ وارد ہوئے۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرسولؒ اور میاں جنوۃ اللہ بٹالویؒ کے علاوہ مولوی اسد اللہ بہاولپوریؒ [جو قبلۂ عالم حضرت نور محمد مہارویؒ کے ہم عصر تھے۔]، میاں مصطفیٰ جی پشاوریؒ [مدفون لاہوری دروازہ، پشاور] میاں مرتضیٰ اعوان قادری جسیالویؒ [جسیال، تلہ گنگ] اور مولانا محکم الدین مکھڈی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ آخر الذکر کے ہاں تشریف لائے تو پھر یہیں کے ہو رہے۔

حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کو اُن کے درس میں وہ سب کچھ مل گیا، جس کی تلاش میں وہ گھر سے نکلے تھے۔ مولانا اپنے استاد کی وفات تک ان کے حلقہ درس میں شامل رہے۔ ابتداً آپ نے اپنے استاد سے "میر زاہد" پڑھنا شروع کی۔ مولانا کو ایسا استاد کامل ملا کہ اگر دل میں بھی کوئی سوال یا الجھن پیدا ہوتی تو لباسِ اظہار میں جلوہ گر ہونے سے پہلے ہی استادِ محترم اس کا جواب عطا کر دیتے اور الجھن رفع ہو جاتی۔

بحیثیتِ استاد: آپؒ ایک عرصے تک مولانا محکم الدینؒ مکھڈی سے کسبِ فیض کرتے رہے۔ جب

استادِ مکرم اپنی زندگی کے آخری ایام میں کسی مقام پر تشریف لے گے [افسوس کہ تذکروں اور روایتوں میں اس مقام کا ذکر نہیں ملتا] اور وہیں ان کا انتقال ہوا تو مولانا نے اپنے استادِ مکرم کی تجہیز و تدفین کے بعد اپنا سامان باندھا اور مکھڈ شریف سے کسی اور منزل کے لیے پا بہ رکاب ہوئے، لیکن مشیتِ ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اہلِ مکھڈ کے اسرار پر مولانا محکم الدین مکھڈیؒ کے چشمہ علم کو جاری رکھنے کے لیے آپؒ کو وہیں قیام کرنا پڑا۔ مولانا محمد علیؒ مکھڈی نے اپنے استاد کے حلقہ درس کو اس خوبی سے چلایا کہ دور و نزدیک میں آپ کے تبحرِ علمی کا چرچہ ہونے لگا اور قرب و جوار ہی کے نہیں بلکہ سمرقند و بخارا اور کابل و قندھار کے تشنگانِ علم اس چشمہ فیض سے اپنی پیاس بُجھانے کے لیے جوق در جوق مکھڈ شریف میں جمع ہونے لگے۔ آپؒ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے تاہم وہ شاگرد جنھوں نے اپنے استادِ گرامی کے نام کو چاردانگِ عالم میں پھیلایا اُن میں مولانا شمس الدین سیالویؒ، خلیفہ محمد عابدؒ جی، میاں زین الدین مکھڈیؒ اور حافظ مولانا رحمت اللہ بٹالویؒ [مولانا کے بھائی عبدالرسول کے پوتے] کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

سفرِ باطنی: ظاہری علوم کی تحصیل و تکمیل کے بعد مولانا محمد علی مکھڈیؒ نے اپنے باطنی سفر کا آغاز کیا۔ مرشدِ کامل کی تلاش و جستجو ان کی ذوق و شوق کی اگلی منزل ٹھہری۔ ایک رات آپؒ نے اسی سچی طلب کو لیے ہوئے استخارہ فرمایا۔ خواب میں اس ہادی اکمل کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ جس کے رُخِ انور کی ایک جھلک پر دو جہاں تو کیا سارے جہاں قربان ہو جائیں۔ رسولِ کائنات ﷺ نے انھیں مسلسل تین راتوں میں اپنے دیدار کی دولت سے نوازا۔ پہلی اور دوسری زیارت میں آپ ﷺ نے صرف ہاتھ سے ملک (لماں) کی طرف اشارہ فرمایا۔ تیسری رات جب پھر یہی سعادتِ عظمیٰ نصیب ہوئی تو آپ نے والی دو جہاں کی بارگاہِ بے کس پناہ میں عرض کی کہ یا رسول اللہ میں کچھ سمجھ نہیں سکا۔ تب آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارے کے ساتھ زبانِ گہر فشاں سے لفظ (لماں) بھی ارشاد فرمایا۔ سرورِ کائنات ﷺ کی طرف سے اجازت و حکم ملنے پر آپ نے سفر کے لیے کمرِ ہمت باندھی۔

اس سفر میں اپنے ساتھی کے طور پر آپ نے اپنے شاگرد رشید مولوی شمس الدین سیالویؒ کا انتخاب کیا۔ مولانا شمس الدین اور کشتی بان دریائے سندھ کے راستے ملک "لماں" کی طرف چل پڑے۔ منزل متعین نہ تھی لیکن طلب مرشد کی کشش آپ کو کشاں کشاں لیے جاتی تھی۔ جب آپ موضع لانگہ {دریائے سندھ کے کنارے آباد ایک گاؤں} پہنچے تو اتفاق سے آٹا ختم ہو گیا۔ یہ جگہ تونسہ مقدسہ سے پانچ کوس کے فاصلے پر ہے۔ اس لیے مولانا محمد علی مکھڈیؒ نے مولانا شمس الدین سیالویؒ کو حکم دیا کہ اس بستی سے آٹا خرید لاؤ۔ جب مولوی شمس الدین سیالوی بستی لانگہ میں داخل ہوئے تو چند لوگوں کو دیکھا جو ایک حلقہ بنائے کسی مردِ کامل کے اوصاف وکمالات کا تذکرہ کر رہے تھے۔ چونکہ آپؒ مقصدِ سفر سے آگاہ تھے اس لیے ان لوگوں سے اس مردِ حق آگاہ کے متعلق معلومات حاصل کر کے اپنے استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا بیان کیا۔ اب یہ دونوں اس مردِ حق آگاہ کے آستانے کی طرف روانہ ہوئے۔ تونسہ مقدسہ کی مبارک بستی میں داخل ہو کر مولانا مکھڈیؒ جب آستانے پیر پٹھانؒ پر حاضر ہوئے تو قلب ونگاہ کی دنیا متغیر ہو گئی۔ یہاں انہیں وہ گوہرِ مراد ہاتھ لگا جس کی تلاش وجستجو میں انھوں نے سفر کی صعوبتیں جھیلی تھیں۔ مولانا محمد علیؒ مکھڈی حضرت پیر پٹھان شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے حکم پر چھ ماہ وہیں قیام پذیر رہے۔ چھ ماہ کے قیامِ تونسہ مقدسہ کے بعد مرشد نے آپؒ کو بیعت وخلافت کی دولتِ گراں بہا سے نوازا اور واپس مکھڈ میں جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ مولاناؒ اپنے مرشد گرامی قدر کے حکم کے مطابق واپس مکھڈ تشریف لائے اور ایک عالم کو اپنے نورِ علم سے منور فرمایا۔

وابستگی شیخ: مولانا محمد علیؒ مکھڈی کو اپنے پیر ومرشد کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی۔ ہر سال باقاعدگی سے اپنے مرشد کے آستانے پر حاضری دیتے اور وہاں چالیس دن قیام کرتے تھے۔ آپؒ مہار شریف صرف ایک مرتبہ تشریف لے گئے۔ مگر تونسہ مقدسہ کی حاضری کبھی نہ چھوٹی۔ ایک بار کسی نے پیر پٹھانؒ کی مجلس میں مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے بارے میں کہا "مولوی صاحب بوڑھے ہو گئے ہیں مگر ہر سال تونسہ مقدسہ حاضری دیتے ہیں۔" حضور پیر پٹھانؒ نے

فرمایا کہ ..... دلوی بوڑھا ہو گیا ہے لیکن اس کا عشق جوان ہے جو اس کو ہر سال یہاں تک لے آتا ہے۔

''مولانا محمد دین مکھڈیؒ{م:۱۹۷۵ء} نے ''تذکرہ الولی'' میں اپنے والد گرامی مولانا غلام محی الدین مکھڈیؒ{م:۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء} کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> ''ایک دفعہ ایام روانگی تونسہ مقدسہ میں حضرت مولاناؒ کو بیماری کی وجہ سے بہت تکلیف اور کمزوری تھی۔ چند غلامان نے عرض کی کہ حضرت یہ سفر فی الحال ملتوی فرمادیں، حضرت کو مبادا زیادہ تکلیف نہ ہو جائے اور جان کی حفاظت فرض ہے۔ آپؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس راستے میں جان دینی فرض ہے۔''[۱]

وصال: آپؒ تمام عمر درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ اگرچہ آخری عمر میں ضعف اور ناطاقتی بڑھ گئی تھی پھر بھی آپ کے معمولات میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ البتہ اسباق میں قدرے کمی کر دی تھی۔ علم اور روحانیت کا یہ آفتاب نوے سال تک مطلعِ عالَم پر روشن رہا اور بالآخر ۲۹ رمضان المبارک ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء بروز جمعرات بہ وقت صبح صادق ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ طلوعِ آفتاب کے بعد آپؒ کو مقامِ وصال سے باہر بارہ دری میں لایا گیا اور بارہ دری کے برآمدے کے متصل حجرے میں آپؒ کو غسل دیا گیا۔ آپؒ کے مرید وخلیفہ مولانا قاضی بہاء الدین قریشیؒ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ انا للہ و انا الیہ رٰجعون۔

خلفا: مولانا محمد علیؒ مکھڈی نے علم وعرفان کی جو قندیل روشن کی اس کی لَو کو بڑھانے میں آپ کے خلفا نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپؒ کے خلفاء کی کوششوں سے علم وعرفان کا یہ سلسلہ اب بھی اسی طرح جگمگا رہا ہے۔ آپؒ کے خلفاء کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ ہے تاہم آپؒ کے نمایاں خلفاء کا ذیل میں اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ حافظ عابد جی مہارویؒ: آپؒ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کے پہلے خلیفہ اور سجادہ نشین ہیں۔ مولاناؒ کے وصال کے بعد نو سال سجادگی پر متمکن رہے اور اپنے پیر ومرشد کے مشن کو آگے بڑھایا۔ آپ کا وصال ۱۲۶۲ھ کو تونسہ مقدسہ میں ہوا اور خواجہ گل محمد تونسویؒ کے قدموں میں آسودہ خاک ہیں۔

۲۔مولانا زین الدین مکھڈیؒ: آپؒ کا مولد ومنشا انگہ [وادی سون سکیسر] ہے۔آپ حضرت پیر پٹھانؒ کے حکم سے مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے۔آپ کا وصال ۱۳محرم الحرام ۱۲۹۵ھ میں ہوا۔آپ کا مزار مکھڈ شریف میں مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے مزار سے متصل بہ جانب شرق واقع ہے۔

۳۔خلیفہ قاضی بہاء الدین قریشی: آپ کو مولاناؒ کی نماز جنازہ پڑھانے کا شرف حاصل ہے۔آپ کے مزید حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔

۴۔حافظ خیر اللہ پراچہ: آپ کا تعلق مکھڈ شریف کے معروف خاندان پراچہ کی ذیلی شاخ بائی خیل سے ہے۔آپ کا وصال مکھڈ شریف میں ہوا۔آپ کی آخری آرام گاہ مولاناؒ کے مزار کے قریب جانب شرق واقع ہے۔

۵۔حافظ رمضانؒ: آپ نورِ بصارت سے محروم تھے تاہم آپ کو بصیرت کا بہرۂ وافر عطا ہوا تھا۔ افسوس کے آپ کے حالاتِ حیات محفوظ نہیں۔

۶۔مولوی کعب ظہیرؒ: آپ کا تعلق اخلاص پنڈی گھیب سے ہے۔آپ کا مزار مبارک تونسہ مقدسہ میں ہے۔

۷۔مولانا میاں محمدؒ: آپ مکھڈ شریف کے رہنے والے تھے۔آپ کے والد گرامی کا نام علی محمد تھا۔ آپ کی قوم دھوبی ہے۔مزار شریف چکی شاہ جی نزد کوٹ گلہ شریف ضلع چکوال میں واقع ہے۔

۸۔میاں ابراہیم احمد لنگڑیالویؒ: آپ کا تعلق لنگڑیال تحصیل پنڈی گھیب ﴿اٹک﴾ سے ہے۔ آپ کا مزار مبارک لنگڑیال میں مرجع خلائق ہے۔

۹۔حضرت حافظ مولوی رحمت اللہ بٹالویؒ: آپ قاری محمد حیاتؒ بٹالوی کے بیٹے اور مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے برادرِ اکبر مولانا عبدالرسولؒ کے پوتے تھے۔آپ ۱۲۴۰ھ میں مکھڈ تشریف لائے اور آٹھ سال مولانا مکھڈیؒ کے حلقۂ درس میں شامل رہے۔تکمیلِ درس کے بعد بیعت وخلافت سے مشرف ہو کر بٹالہ چلے گئے۔تاریخ وفات ومدفن کا کوئی علم نہیں۔

۱۰۔حضرت مولانا میاں محمد احسنؒ ﴿میکی ڈھوک، فتح جنگ﴾ آپؒ نے علم ظاہری و باطنی حضرت

مولانا محمد علیؒ مکھڈی سے حاصل کیا۔ آپؒ کا مزار مبارک میکی ڈھوک تحصیل فتح جنگ میں مرجع خلائق ہے۔ میکی ڈھوک کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہاں پر حضرت مولانا شمس الدین سیالویؒ اور آپؒ کے مرید و خلیفہ حضرت سید مہر علی شاہؒ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ میکی ڈھوک کی درسگاہ اور کتب خانہ تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ آپؒ کا سالانہ عرس مبارک ۲۳،۲۲،۲۱ محرم الحرام کو نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ حضرت مولانا شمس الدین اخلاصیؒ ﴿اخلاص، تحصیل پنڈی گھیب، اٹک﴾ نے ۱۳۲۵ھ میں اپنی مشہور و معروف تخلیق ''مثنوی جنگ نامہ منسوب بہ قاسم نامہ'' میں میکی ڈھوک میں حضرت میاں محمد احسنؒ کے خانوادے اور قرب و جوار کے نوابوں کے درمیان تنازع کو بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

شاعری: مولانا محمد علیؒ مکھڈی صرف عالم و صوفی ہی نہ تھے بلکہ فارسی اور پنجابی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ آپؒ ''مولوی'' تخلص کرتے تھے۔ افسوس کہ آپ کا مکمل فارسی اور پنجابی کلام دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ تاہم دستیاب کلام سے بھی آپ کے شاعرانہ مقام و مرتبہ کی تعیین مشکل نہیں۔ آپ کا زیادہ تر کلام آپ کے ملفوظات کے مجموعے ''تذکرۃ المحبوب'' میں مولوی عبدالنبیؒ [ساکن بھوئی گاڑ، تحصیل حسن ابدال] نے شامل کیا۔ ملفوظات کا یہ مجموعہ ہنوز زیورِ طباعت سے آشنا نہ ہو سکا البتہ حضرت مولانا محمد دینؒ مکھڈی نے اس کا ترجمہ "تذکرۃ الولی" کے نام سے شائع کیا اور اس میں ذاتی حوالے سے کئی اضافے بھی فرمائے۔ بالخصوص پنجابی سی حرفی کے کئی بند اس ترجمے کی وساطت سے محفوظ ہوئے۔ ''تذکرۃ الولی'' کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۶ء میں ''مہر تاباں'' کے نام سے شائع ہوا۔ مولانا محمد علیؒ مکھڈی کی ایک پنجابی سی حرفی ''سی حرفی مولوی صاحب مکھڈ والا'' کے نام سے حاجی چراغ الدین سراج الدین تاجران کتب لاہور سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

مولانا مکھڈیؒ کا فارسی کلام اگرچہ صرف نو غزلیات کی صورت میں دستیاب ہوا ہے تاہم اہلِ علم و عرفان نے ان کے اشعار کی بے حد تعریف کی ہے۔ آپؒ کے کلام کے حوالے سے مولانا محمد الدینؒ مکھڈی نے ''تذکرۃ الولی'' میں مولانا نجم الدینؒ کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے:

''مولوی نجم الدین صاحب مناقب المحبوبین میں تحریر فرماتے ہیں کہ ماہِ شوال ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں جس دن حضرت مولانا [محمد علی مکھڈی] کے وصال کی خبر حضور پیر پٹھان شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں تونسہ شریف پہنچی حضرت صاحب عصر کی نماز کے بعد اپنی دیرینہ مسجد میں تشریف فرما رہے تھے اور کاتب الحروف بھی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ حضرت صاحب نے فرمایا مولوی صاحب معروف اللہ تھا پھر حضرت صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب نے اپنی غزل میں یہ شعر اچھا کہا تھا:

حدیثِ حُسنِ یوسف را کجا دانند اخوانش
زلیخا را پرس از وے کے صد شرح و بیاں دارد''[۲]

ایک مرشدِ کامل اور صاحبِ عرفان نے اپنے مرید و خلیفہ کا ذکر جس محبت و خلوص سے کیا وہ اہلِ ذوق کے لیے محبت کے نئے در وا کرتا ہے۔ معروف محقق اور فارسی کے جید استاد ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے اپنی معروف کتاب ''پاکستان میں فارسی ادب'' میں مولانا محمد علیؒ مکھڈی کے فارسی کلام کے حوالے سے لکھا ہے:

''محمد علیؒ عشقِ رسول ﷺ اور عشقِ خدا میں سرشار ہیں؛ جلوہ محبوب کے لیے بے قرار نظر آتے ہیں۔ اغیار سے کٹ کر اسی کو چاہتے ہیں؛ ظاہری ورع و تقویٰ کی انہیں پرواہ نہیں۔ جنت و طوبیٰ کا تذکرہ بھی انہیں پسند نہیں۔ راہِ عشق میں کامیابی کے لیے حافظ کی طرح زندانِ پاکباز اور پیر مغاں کی صحبت ضرور جانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ راہِ عشق میں عقل کو تو جواب مل جاتا ہے۔ دین کو خیر آباد کہنا بڑی جواں مردی ہے۔

مولویؒ در عشق دادی دین و دانش رابباد
آفریں صد آفریں بر ہمتِ مردانِ من

ایک صوفی ہی یہ بات کہہ سکتا ہے ورنہ جو عقل کی بات نہ مانے دیوانہ کہلائے اور دین ترک کرے وہ کافر کہلائے۔''[۳]

مولانا محمد علیؒ مکھڈی کا دستیاب فارسی کلام اگر چہ مقدار میں کم ہے لیکن معیار میں لا جواب ہے۔آپؒ کے کلام میں استعارات وتشبیہات کا برمحل استعمال کلام میں صوت وآہنگ کے نئے زاویوں کو جلا بخشتا ہے۔واردات قلبی کے بیان میں مولاناؒ کو کمال حاصل ہے۔حمد و نعت کے علاوہ غزل میں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں۔معروف شاعر و محقق جناب نذر صابری مولاناؒ کے فارسی کلام پر یوں گویا ہیں۔

''ابیاتِ فارسی کا کل سرمایہ جو حاصل ہے نو منظومات پر مشتمل ہے۔دو حمدیہ، دو نعتیہ اور پانچ غزلیہ ہیں۔کل اشعار کی تعداد پچاسی۔دس حمد کے، چوبیس نعت کے اور اکاون غزل کے ہیں۔حمد کو دیکھا تو یوں لگا کہ دس شعر کہہ کر قلم رکھ دیا ہے،نعت کے چوبیس شعر کہہ رہے ہیں کہ کچھ اور بھی کہتے''[۴]

مولاناؒ کی فارسی شاعری فکر و خیال کی ندرت اور الفاظ کی بنت کاری کا بہترین مرقع ہے۔نعت کے اشعار میں محبتِ رسول ﷺ کو جس سادگی اور عقیدت سے پیش کیا ہے وہ آپؒ ہی کا حصہ ہے۔نعت کے درج ذیل اشعار اس کی دلیل ہیں۔

اے ہادیء راہِ خدا ، یا مصطفیٰ، یا مصطفیٰ
اے قدوۂ اہلِ صفا ، یا مصطفیٰ ، یا مصطفیٰ
در مسجد و مکتب توئی ، در مشرق و مغرب توئی
مطلوب ہر طالب توئی، یا مصطفیٰ ، یا مصطفیٰ
کُن مولوی را محترم ، تا از سگانِ تو شوم
در عشق و شوقت جاں دہم ، یا مصطفیٰ ، یا مصطفیٰ[۵]

مولانا محمد علیؒ مکھڈیؒ کا فارسی کلام جہاں اہلِ فن کے ہاں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہیں آپؒ کا پنجابی کلام اپنی جاذبیت اور شعری جمالیات کی بناء پر اہلِ نظر کے ہاں ذوق و شوق سے سنا اور پڑھا جاتا ہے۔مولاناؒ کا پنجابی کلام صوفیانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔پنجاب بھر کی

چشتیہ خانقاہوں میں سماع کی محفلوں میں آپؒ کے فارسی و پنجابی کلام محفلوں میں ذوق وشوق سے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کے بقول:

''مولوی محمد علی مکھڈیؒ دی پنجابی سی حرفی فکر دی ڈونگھائی تے فن دی پکیائی دا مونہوں بولدا شہکار ہے۔ اوہناں نے پنجاب دے صوفی شاعراں دے اُلیکے اکھراں دی چھتر چھاویں سخن دے جو دیوے بالے ہن اوہناں دے چانن نال اندر دی دُنیا لشکدی نظر آوندی ہے۔ تشبیہاں، استعاریاں تے علامتاں دے ڈھکویں تے پچویں ورتاوے تے زبان دے سُہپن نے اوہناں دے معرفت رنگے کلام دی تاثیر نوں سوایا کر دِتا ہے۔ ایہہ گل بڑے مان نال آکھی جاسکدی ہے جے پنجابی سی حرفی دے پڑ وچ مولوی ہوراں دی سی حرفی اپنی نویکلی دکھ پا روں اِک اتملا وادھا ہے۔'' ۶

آپؒ کے کلام میں حمد و نعت کے موضوعات کے ساتھ ساتھ تصوف اور عشق مجازی و حقیقی کی کیفیات کو دلنشیں انداز میں اپنی پنجابی شاعری میں بیان کیا ہے۔ آپؒ کے پنجابی سی حرفیاں دل کے بے ربط تاروں کو ساز و آواز کا روپ عطا کرتی ہیں۔

الف آویں وے یار پیاریا وے، کیہا مَل بیٹھوں پردیس جانی
سروں وال کُھلے اکھیں نیر ڈُلھے، میں تاں پھر دِیاں آں میلوے وِیس جانی
ساڈے یار گیاں مُدت گھنی گُزری، رَت رَوندے نی نین ہمیش جانی
رَبا چیتر بیساکھ نوں پھیر آنے، مولوی آوے تاں آپنے دِیس جانی

کتب خانہ: کتب خانہ مولانا محمد علیؒ مکھڈی کے نام کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔ آپؒ نے حضرت پیر پٹھان شاہ محمد سلیمان تونسویؒ سے بیعت وخلافت کے بعد جب مکھڈ شریف میں چشتیہ نظامیہ خانقاہ کی بنیاد رکھی تو اس کے ساتھ ''کتب خانہ'' کی بھی بنا رکھی۔ اس ''کتب خانہ'' کو مولانا محمد علیؒ مکھڈی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کتب خانہ میں سینکڑوں کتب مختلف علوم پر موجود ہیں جو آج بھی اُس دور کی عظمت رفتہ کی یاد دلاتی ہیں۔ مولاناؒ کے کتب خانہ میں تفسیر، حدیث، سیرت،

فقہ، تصوف، تاریخ، ادب، منطق، کلام، اصولِ تفسیر، اصولِ حدیث، اصولِ فقہ، نحو وصرف، میراث ،طب اور دیگر علوم پر بیسیوں کتب موجود ہیں۔ اس کتب خانہ کو یہ بھی حیثیت حاصل ہے کہ اس میں مخطوطات کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو عربی، فارسی اور پنجابی زبان کے مختلف علوم پر مشتمل ہے۔ اوران مخطوطات میں کئی مخطوطے ایسے بھی ہیں جن کا دوسرا نسخہ دنیا کے کسی دوسرے کتب خانے میں موجود نہیں۔ مخطوطات، مطبوعات اور رسائل کی مجموعی تعداد "۱۵۰۰۰" سے زائد ہے۔

مولاناؒ کے وصال (۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء) کے بعد آپؒ کے سجادگان نے اس کتب خانہ کو مزید وسعت دی۔ کابل، سمرقند و بخارا تک سے مخطوطات منگوا کر اس کتب خانہ کو مزین کیا گیا۔ آج یہ کتب خانہ ملکِ پاکستان کے عظیم ذخیرہ کتب میں شمار ہوتا ہے۔ جلد اس کی فہارس منظر عام پر لائی جائیں گی۔

اٹک اور اس کے قرب وجوار کے خطے کے لیے مولاناؒ کی ذات ایک نعمتِ عظمیٰ سے کم نہیں۔ آپؒ نے بیک وقت علم وادب اور روحانیت کے درس سے اس خطہ کے لوگوں کو مستفید فرمایا آپؒ کے حلقہ درس نے ایسے عظیم علما وفقہا اور روحانیت کے تاجداروں کو جنم دیا جس کی تابناکیاں ایک عالم کو منور کر رہی ہیں۔ سیال شریف کی خانقاہ اُس کی ایک زندہ وتابندہ مثال ہے۔

حواشی وتعلیقات:

۱۔ محمد الدین، مولانا، تذکرۃ الولی، مطبع شمس، ملتان، س۔ن، ص ۵۰۔۴۹

۲۔ محمد الدین، مولانا، تذکرۃ الولی، ص ۹۷

۳۔ ظہور الدین احمد، پاکستان میں فارسی ادب [جلد چہارم]، ص ۱۴۱

۴۔ نذر صابری، (پیشِ گفتار) محرابِ دعا، مرتبہ: محمد ساجد نظامی، نظامیہ دارالاشاعت، مکھڈ شریف، ۲۰۰۵ء، ص ۱۸

۵ محرابِ دعا، مرتبہ: محمد ساجد نظامی، ص ۲۱۔۲۲

۶ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، بیک فلیپ، محرابِ دعا

۷ محرابِ دعا: ص ۴۱۔۴۴۔۹۴

حضرت خواجہ زین الدین چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ۔ احوال و آثار

محسن علی عباسی

حضرت خواجہ زین الدین چشتی نظامیؒ کے نام نامی اسم گرامی سے کون واقف نہیں۔ آپ خاندان چشت کے درخشندہ ستارے تھے۔ آپ ۱۵ر شعبان المعظم ۱۹۱۲ء کو ضلع اٹک کے ایک دورافتادہ مگر شہرت یافتہ قصبہ مکھڈ شریف میں پیدا ہوئے۔ مکھڈ شریف میں آپؒ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کی خانقاہ سے منسلک تھے۔ آپؒ کے والدِ گرامی حضرت مولانا غلام محی الدینؒ وقت کے جید عالم، متقی و پرہیز گار شخصیت کے حامل انسان تھے۔ خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کے سجادہ نشیں کے طور پر آپ کا عہد اُس دور کی عظمت پر دلالت ہے۔

حضرت خواجہ زین الدینؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی۔ قرآنِ مجید اور درسِ نظامی کی تعلیم بھی مکھڈ شریف کی قدیم و عظیم درسگاہ سے حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا نواب علیؒ مکھیاں (تحصیل پنڈی گھیب، اٹک) اور شیخ الحدیث مولانا قطب الدین غور غشتی (حضرو، اٹک) کے نام نمایاں ہیں۔

اگرچہ ۸ سال کی عمر میں آپ کے سر سے ایک شفیق و مربی باپ کا سایہ اٹھ گیا تھا لیکن آپ کی والدہ محترمہ، آپ کے برادرانِ مکرم اور تونسہ مقدسہ کے سجادہ نشین حضرت خواجہ نظام الدینؒ محمودی سلیمانی نے آپ کی دستگیری فرمائی۔ ان شخصیات نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ جس کا ثمرہ حضرت خواجہ زین الدین کی شخصیت و کردار کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ آپ کو اللہ نے وہ مقام عطا کیا جس کی نظیر ڈھونڈنے پر بھی کم کم ملتی ہے۔ تحصیلِ علم کے لیے آپ نے غور غشتی (اٹک) کے علاوہ ہندوستان کا سفر بھی کیا۔ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور دیگر جید علماء کرام سے علمِ حدیث پاک اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیمات حاصل کرتے رہے۔ علمی سفر سے واپسی پر حضرت خواجہ نظام الدین تونسویؒ نے اپنے دستِ مبارک سے آپ کے سر پر دستارِ فضیلت سجائی۔

علوم ظاہری میں آپ کو جتنی دسترس حاصل تھی۔ اتنی دسترس علوم باطنیہ میں بھی اپنے والدِ محترم اور پیر و شد مسند نشین حضرت خواجہ غلام محی الدین مکھڈیؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین تونسویؒ کے فیضِ نظر سے حاصل کی۔ اپنے والدِ محترم کی بشارت کے مطابق "میرا یہ بیٹا سرزمین کچھی کو آباد کرے گا۔" آپؒ نے ۱۹۳۳ء میں اپنا ساز و سامان اور اثاثہ چھوڑ کر ڈبہ شریف، ترگ (میانوالی) کا سفر اختیار کیا اور وہیں سکونت اختیار کی۔ اور یہاں کی بنجر و بے آب و گیاہ زمین کو سیراب کیا۔ یہاں پر خدا اور اس کے رسول ﷺ کے دین کی تبلیغ فرمائی اور ایک عالم کو نورِ ہدایت سے روشناس کرایا۔ آپ نے ڈبہ شریف ترگ (میانوالی) میں نہ صرف مسجد و مدرسہ کا سنگِ بنیاد رکھا۔ بلکہ ضلع بھر میں سندھ اور کراچی تک اس درسگاہ کی شاخیں کھولیں۔ اور نہایت تن دہی سے دین کے اس کام کو انجام دیا۔ آپؒ نے اپنی تمام عمر اسوہ رسول ﷺ کے مطابق بسر کی۔ آپؒ کی ہستی بیک وقت ایک استاد، مفتی، شیخ الحدیث، شعلہ بیاں مقرر اور بلند پایہ مولف کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں:

- ☆ نجم الہدیٰ فی مسئلہ حیات المصطفیٰ ﷺ۔ ☆ بدر الدجیٰ۔
- ☆ نور الہدیٰ فی آدابِ مصطفیٰ ﷺ ☆ سعادت دارین۔
- ☆ شمس الضحیٰ فی مسئلہ حیات المصطفیٰ۔ ☆ فضیلت ذکر۔
- ☆ المجاہدین فی سبیل اللہ۔ ☆ توحیدِ خالص
- ☆ چہل حدیث

شامل ہیں۔ آپ کو حضور اکرم ﷺ کی ذات سے والہانہ عقیدت تھی۔ آپ باقاعدگی سے ذکرِ رسول ﷺ کی محفلوں کا انعقاد کروایا کرتے تھے۔ آخری ایام میں ایک جماعت "فدایانِ مصطفیٰ" کے نام سے تشکیل دی اور پاکستان بھر میں جہاں آپؒ کے عقیدت مند موجود تھے ان میں اِس جماعت اور اس کے پیغام کو عام کیا۔ آپؒ کا آخری سفر بھی تبلیغ دین اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے تھا۔ کراچی مدرسہ زین الاسلام تجلی نورنئی آباد سعید آباد، کراچی کی تعمیر میں مصروف تھے کے

خالقِ ایزدی سے بلاوا آ گیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ: دوست کو دوست بلائے اور دوست نہ جائے تو دوستی کا ہے کی۔ دوست کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ بمطابق ۲۲، ۲۳ نومبر ۱۹۷۸ء کی درمیانی شب یہ آفتاب باکمال اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ کا مزار پر انوار بہ شریف ترگ (میانوالی) میں مرجع خلائق ہے۔ ہر سال ۲۰، ۲۱، ۲۲ ذوالحجہ کو آپ کا عرس مبارک نہایت تزک واحتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ ملک بھر سے مریدین جوق در جوق اپنے مرشد کو سلامِ عقیدت پیش کرنے آتے ہیں۔ اور من کی مرادوں سے جھولیاں بھر بھر لے جاتے ہیں۔

آپ نے دوشادیاں کیں۔ آپ کی اولاد میں چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں: صاحبزادگان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت خواجہ غلام معین الدین چشتی نظامی مدظلہ العالی

حضرت خواجہ نصیر الدین چشتی نظامیؒ

حضرت خواجہ قطب الدین چشتی نظامیؒ

حضرت خواجہ علاؤ الدین چشتی نظامی مدظلہ العالی

خواجہ قطب الدین چشتی نظامیؒ مدرسہ زینت الاسلام، سعید آباد کے مہتم ومنتظم رہے ۔ آپؒ نے اپنے والد علیہ الرحمتہ کے مشن کو جاری رکھا اور شمع علم کو فروزاں کیا۔ اس وقت آپ کے بڑے صاحبزادے حاجی معین الدین چشتی نظامی مدظلہ العالی معروف ''چن پیر'' آپ کی درگاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ آپ اپنے والدِ گرامی کے مشن کو جاری وساری رکھے ہوئے ہیں۔ نقش ونگار، وضع قطع، صورت وسیرت میں اپنے عظیم والد کے عکسِ جمیل ہیں۔

حضرت خواجہ زین الدین چشتی نظامیؒ نے جو مشن جاری کیا تھا جو عشق مصطفی ﷺ کی شمع آپ نے جلائی اس کی روشنی وچمک آج بھی آنکھوں کو چندھیائے دیتی ہے۔ آج اگرچہ آپ کے

وصال مبارک کو ۳۵ سال ہونے کو آئے ہیں لیکن آپ کا نام و کام اسی طرح زندہ و تابندہ ہے جس طرح آپ کی حیاتِ ظاہری میں تھا۔ اللہ رب العزت اپنی حبیب ﷺ کے صدقے تا قیامت اس درگاہ کو روشن و تابندہ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

آپ کی حیاتِ مبارکہ پر مختصر سوانحی کتاب ''حیاتِ مرشد'' کے نام سے حاجی غلام قاسم شاہ صاحب نے تحریر کی۔ جو مرکزی تنظیم دعوت الی الخیر کے تعاون سے آر۔ کے پرنٹرز، کراچی سے شائع ہوئی۔ آپؒ کا علمی و روحانی مرتبہ بڑا بلند تھا۔ علمی لحاظ سے آپؒ کی تصانیف اس پر دلیل ہیں اور روحانیت کے حوالے سے نہ صرف ضلع میانوالی بلکہ اس کے قرب و جوار کے اضلاع اور خاص طور پر سندھ کا ایک بڑا علاقہ آپ کے فیض سے مستفید ہوا۔ آج آپؒ کے وصال کو ۳۵ سال سے زیادہ کا عرصہ ہونے کو ہے اور روحانی فیض کا وہ سلسلہ اب بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔

آپؒ صاحبِ کشف و کرامات شخصیت کے مالک تھے۔ آپؒ کے خلفا اور مریدین و شاگردوں کی ایک بڑی تعداد آپؒ کی ظاہری حیات میں اور اب بعد از وصال آپؒ کے روحانی فیض سے مستفید ہو رہی ہے۔ اور بیسیوں ایسے واقعات آپؒ کے روحانی فیض کی ترسیل اور کرامات کے زبان زد عام و خاص ہیں۔ آپؒ کے مرید و خلیفہ جناب حافظ غلام محمود المعروف حافظ جیؒ نے اپنی وارداتِ قلبی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ بقول علامہ محمد رفیق حسنی :

> ایک دفعہ میں نے حافظ جی سے پوچھا کہ آپ کی روحانیت کا سفر کیسے شروع ہوا۔ حافظ جی نے بتایا کہ میں قرآن شریف کثرت سے پڑھتا تھا، لیکن پردہ نہیں اٹھتا تھا۔ ایک بار ترگ شریف کے پیر خواجہ غلام زین الدینؒ کراچی تشریف لائے، آپ کا قیام ایک مرید کے پاس ''بکرا پیڑی'' میں تھا اور میں لی مارکیٹ میں رہتا تھا، میں حاضر ہوا اور مرید ہو گیا۔ دوسرے سال تشریف لائے تو میں ''بکرا پیڑی'' زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے میرا نام پوچھا، میں نے عرض کیا، میں آپ کا مرید ہوں ۔ ہمارا عقیدہ ہے کے پیر میدانِ محشر میں مریدوں کی مدد کریں گے اور پہچانتے ہوں

گے لیکن اپنے کل کے مریدوں کو نہیں پہچانتے۔اس پر آپ ہنس پڑے اور فرمایا کہ کل صبح میرے ساتھ ناشتہ کرنا۔دوسری صبح جب میں پہنچا تو گاڑیاں تیار تھیں اور کافی مرید جمع تھے۔پیر صاحب اور دیگر مرید ''منگھوپیر'' جانے کے لیے روانہ ہو گئے اور مجھے بھی ساتھ لے گئے۔پیر صاحب مزار شریف پر جا کر دوزانو بیٹھ گئے اور کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔دیگر مریدین پیر صاحب کے پیچھے کھڑے رہے، پڑھتے پڑھتے پیر صاحب نے اشارہ فرمایا کہ آگے آجاؤ۔میں آگے نہیں گیا، کیونکہ میں نو مرید جوان تھا۔سوچا کے کسی دوسرے مرید کو بلایا ہوگا۔دوسرا مرید آگے بڑھا تو ان کو اشارے سے منع کر دیا۔پھر اشارے سے فرمایا کے اُس بچے کو بلاؤ۔چنانچہ میں آگے بڑھا، فرمایا کہ میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔میں ویسے ہی دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔بیٹھتے ہوئے میری ران پیر صاحب کی ران سے مل گئی اور آپ کی جسم کی گرمی محسوس ہونے لگی۔اس کے بعد میرے جسم میں بجلی کی رَو دوڑنے لگی۔ایسا محسوس ہوا کہ جسم میں روحانی کرنٹ آگیا ہے۔وہ دن اور آج کا دن ہے۔اس روحانیت میں ترقی ہی ترقی ہے۔اسی دن میری روحانیت کا آغاز ہو گیا۔میں نے عرض کیا پیر صاحب نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسا لگتا کہ حضرت صاحب مزار پیر صاحب سے اس بات کی اجازت لی یا اس کی روحانیت حاصل کی اور پھر میرے اوپر کرم فرمایا۔[1]

حضرت خواجہ زین الدینؒ نے سادگی کے ساتھ زندگی گزاری۔آپ ہمیشہ سفید لباس زیب تن فرماتے۔کھانے میں سادہ خوراک پسند فرماتے۔آپ اپنے مرید و خلفا کے ساتھ اخلاق و کریمانہ انداز سے گفتگو فرماتے۔ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی محافل میں ذوق و شوق سے شمولیت اختیار فرماتے۔مریدان میں سے اگر کوئی کسی مسئلے کے لیے دعا کی عرض کرتا تو آپ فرماتے کہ اپنے گھر میں محفل میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی نیت کر لو، تمھارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔اور ایسا ہی ہوتا۔اپنے عقیدت مندوں خاص طور پر خلفا کو مساجد و مدارس اور کتب خانوں کی بنا پر خصوصی توجہ دلاتے۔

بقول حاجی غلام قاسم شاہ:

حضرت خواجہ غلام زین الدین چشتیؒ کے تعمیر کردہ مساجد و مدارس آج بھی قائم ہیں۔ جن میں شب و روز علمائے کرام، قراء اور حفاظ کرام تبلیغ و ترویج علمِ دین میں مصروف

ہیں۔اور ہزاروں تشنگانِ علم ومعرفت ان چشمہ ہائے فیض سے اپنی علمی وروحانی تشنگی
بجھا رہے ہیں۔ایسے درویش خدا پرست اور صاحب بصیرت وبصارت شخصیت اک
مدت دراز کے بعد اس دنیا میں تشریف لاتی ہیں۔جن کے دم قدم سے خلقِ خدا کے قلو
ب علم وآگہی کی روشنیوں سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ ۲

آپؒ کو مکھڈ شریف، تونسہ مقدسہ، چشتیاں شریف، پاک پتن شریف اور اپنے سلسلہ کی دیگر خانقاہوں کے ساتھ دلی وابستگی تھی۔آپؒ باقاعدگی کے ساتھ اِن خانقاہوں میں حاضری دیتے۔حضورِ اقدس ﷺ کی ذاتِ مقدس آپ کا محور ومنبع تھی۔آپ کے سامنے اگر حضور سرورِ کائنات ﷺ کا ذکرِ خیر ہوتا تو محبت ووارفتگی میں آپؒ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے۔ آپؒ کثرت سے درودِ پاک کا ورد فرماتے۔اپنے عقیدت مندوں کو بھی اس کی ترغیب دلاتے تھے۔آپؒ نے اپنی تصیفِ لطیف ''نجم الھدیٰ فی مسئلہ حیاتِ مصطفیٰ ﷺ'' کو حضورِ اکرم ﷺ کی بار گاہ میں قبولیت کی لیے پیش کیا۔اس کے بعد حضور سرورِ کائنات ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔آپؒ ''فدایانِ مصطفیٰ ﷺ'' اور ''فوجِ محمدی'' جیسی تحریکوں کے بنیاد گروں میں شامل رہے۔پندرہ روزہ ''شمس الاسلام، بھیرہ'' میں ان تحریکوں کے اجلاسوں کی کاروائیوں کو پڑھا جاسکتا ہے۔حقیقت میں آپؒ کا وجودِ مسعود اِس خطہ کے لیے نعمتِ متبرکہ سے کم نہیں۔اللہ رب العزت اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے آپؒ کے درجات کو مزید ترقیاں عطا فرمائے۔اور ہم جیسے گنا ہگاروں کو آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

حواشی :

۱۔ محمد رفیق حسنی، علامہ، البشر المسعود ے فی روایات سید حافظ غلام محمود (ناشر) صاحبزادہ محمد طاہر، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۷۔۱۰۸

۲ غلام قاسم شاہ، حاجی، حیاتِ مرشد، آر۔کے پرنٹرز، کراچی، س۔ن، ص ۲۰

معاشرتی جمالیات

______ محمد توقیر احمد ملک (لیکچرر اردو)

گورنمنٹ کالج بسال اٹک

کائنات کے پیکرِ بے کراں میں انسان دھڑکتا ہوا دل ہے۔ مظاہر اس کی عظمت پہ سکوت آفریں حیرت کے عالم میں دست بہ دنداں، سرگرداں ہیں۔ یہی تظمِ کائنات ہے۔ مغربی فلاسفہ نے بعض امتیازی خصوصیات کی بنا پر انسانوں کو دیگر حیوانات سے ممتاز قرار دیا ہے جیسے :انسان معاشرتی حیوان ہے۔ انسان حیوانِ ناطق ہے۔ انسان ہتھیار بنانے والا حیوان ہے وغیرہ۔ ان نظریات کا اطلاق محدود سطح پر مختلف قسم کے حیوانات پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ تقسیم عمرانی بنیادوں پہ استوار ہے جو زیادہ تر ذہن سازی اور مختلف زمانوں میں مختلف سیاسی و قومی ضرورتوں کے تابع رہی ہے۔ انھی سے قومی مزاجوں کی تشکیل ہوئی اور یہی مقاصدِ حیات کے تفاوت کی بنیاد ہے۔ شرفِ انسانیت کی مختلف وجوہ میں سے معاشرت بھی اس کا ایک خارجی روپ ہو سکتا ہے، تاہم انسان کی داخلی جمالیات کا ارتقا بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام بنی نوعِ انساں کو چند فرائض کے بدلے میں بے شمار نعائم فطرت کا امین ٹھہراتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کی اشرفیت مظاہر کی تسخیر اور خالق کے شکریے میں مضمر ہے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں کائنات پر غور و فکر کرنے اور احادیثِ مبارکہ میں تربیت کے واسطے بندوں کا شکریہ (جو بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکریہ ہرگز ادا نہیں کر سکتا) ادا کرنے پہ زور دیا گیا ہے۔ یہ دونوں امور علم سے مستنیر ہو کر تربیت سے جلا پاتے ہیں۔ علم کے ذرائع حواس، عقل اور الہام ہیں۔ حواس عالمِ محسوسات کے ظاہری اور عملی مسائل کا ادراک کرتے ہیں۔ عقل معاون، رہنما اور محاسب ہے۔ دلِ زندہ جملہ افعال کا حاکم و نگہبان ہے۔ عام لفظوں میں اس کی مثال یوں ہے کہ امورِ سلطنت کے ادنا کام کی بجا آوری کے لیے دربار کے مختلف کارندے کام کرتے ہیں اور بادشاہ فیصلے صادر کرتا ہے۔ بلادِ اسلامیہ میں تربیت کے دو ذریعے (شریعت و طریقت) اس سلسلے

میں بطورِ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ہر چند کہ ان ذرائع کی تقسیم اور باہمی آویزش نے قرونِ اولیٰ کے صاحبانِ نظر مد (بلا تفریقِ خبر ونظر) کے جاری کردہ متوازن چشمۂ فیض کو نقصان پہنچایا تاہم اب یہ مستقلاً مکتبہ ہائے فکر کی حیثیت سے کارفرما ہیں۔

معاشرت مل جل کر رہنے کا نام ہے۔ مختلف معاشروں کے مخصوص نظریات اور تصورات کی عملی صورت مخصوص نظامِ زندگی کو متعارف کرواتی ہے۔ جغرافیہ، نسل، اسلوبِ زندگی، نظریۂ حیات اور تہذیب وثقافت وہ عناصر ہیں جو ہر طائفۂ انسانی کے امتیازات کو اُجاگر کرتے ہیں، شناخت عطا کرتے ہیں، ایک خارجی حسن عطا کرتے ہیں جو اُسے دیگر اقوام وملل سے منفرد بناتا ہے۔ عمرانی سطح پر جمال افرادِ معاشرہ کے اُس داخلی نظم، توازن اور سلیقے کا نام ہے جو انفرادی و اجتماعی روپ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ معاشرتی جمالیات علم کی روشنی میں متوازن فکر وعمل کا نام ہے۔ اس کا دائرۂ عمل جذبوں کے توازن سے لے کر موجودات پر تصرف کے اعلیٰ مقام اور ان کے استعمال تک کو محیط ہے۔

معاشرتی حوالے سے حسن، نیکی، صالح جذبات اور خیر سے عبارت ہے اور بدصورتی، بدی، بُرے جذبات اور شرانگیزی کا نام ہے۔ فلسفے کی رو سے حُسن اشیا میں ان مخصوص صفات سے عبارت ہے، جن سے ہمیں ایک طرح کی مسرت وسرور کا احساس ہوتا ہے۔ گویا حسن وہ تأثر ہے جو خارج یا داخل کے کسی مظہر کے انسانی مزاج کے ساتھ اتحاد، ہم آہنگی، متناسبت و ترتیب سے جنم لیتا ہے۔ اس کا زیادہ تر انحصار حسنِ ترتیب، سلیقے اور توازن پر مبنی ہے یعنی یہ خصوصیات عمومی حسن کا معیار تصور کی جاتی ہیں۔ یہ عناصر معروض میں ہوں تو ذوقِ جمال اور موضوع میں ہوں تو حسنِ کائنات کہلاتا ہے۔ معروض اور موضوع کا داخلی اشتراک اس میں بنیادی قدر کے طور پر کارفرما ہوتا ہے۔

عام طور پر سائنس کو جمال اور جمالیات سے بیگانہ تصور کیا جاتا ہے لیکن ایسا نہیں۔ جمالیات کے مذکورہ بالا عناصر سائنس میں بھی پوری طرح کارفر ہیں، بل کہ اگر یہ کہا جائے کہ

سائنس انھی اصولوں پہ اپنی بنیاد استوار کرتی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ فکری و تصوراتی سطح پر اس کا بنیادی مقصد تخلیق ہے جو خیر اور افادے سے متعلق ہے یہ اور بات کہ ایجادات کے منفی استعمال سے انسانیت کو شرمسار کیا۔ اس کا تعلق سوچ اور جذبوں کے عدم توازن سے ہے یعنی اس بدصورتی کا تعلق بھی داخلی سطح پر جمالیاتی قدروں کی پامالی سے ہے۔ ایجادات کی میکینیکل کارکردگی تو جمالیات کی قدروں سے سرِ مُو انحراف سائنس کے لیے ممکن نہیں، پنکھا اپنے محور کے گرد گھوم کر ہی ہوا دیتا ہے، ٹیلی وژن بصری و صوتی لہروں کو برقی قوت کی مدد سے اسی عمل کے ردِ عمل کے طور پر سکرین پر دکھاتا ہے، کمپیوٹر کی پروگرامنگ (بائنری کوڈز) کو ذرا چھیڑیے اور دیکھیں کہ معمولی سا توازن بگڑنے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ سادہ لفظوں میں مشین کے پاس غلطی کا کوئی اختیار نہیں، یا تو پورے کل پرزوں کی درستی کے ساتھ چلے گی یا نہیں چلے گی۔ پُرزوں کی راستی توازن ہے مشینوں کا افادہ خیر ہے باسہولت اور باسلیقہ استعمال حُسن ہے۔

ہر مذہب کی بنیادی اخلاقیات بھی جمالیات کی مشترک قدوروں پر استوار ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب میں صداقت کی جھلک موجود ہے۔ بدھ مت کے چار بنیادی اصول ہیں: دنیا دکھوں کا گھر ہے، خواہشات پر قابو پانے سے دکھوں میں کمی ہو سکتی ہے، کسی کو دُکھ نہ دو اور عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے۔ آخری اصول تو خالصتاً سائنسی بنیادوں پر جمالیاتی تقاضوں کو پیش کرتا ہے اور پہلے تین اصول بھی توازن اور عدم توازن کے گرد گھومتے ہیں۔ اسلام دینِ فطرت ہے جو ہر طرح کے عدم توازن کی مذمت کرتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں توازن کو برقرار رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک ''تمام قویٰ کو اپنے مقام پر استعمال کرنے کا نام اسلام ہے۔'' جمالیاتی اعتبار سے سورۂ رحمٰن کو عروس القرآن کہا گیا ہے۔ نعائمِ فطرت کی طرف اشارے، تکرارِ استفسارِ اقراری نغمگی، لے اور آہنگ کا حسن بھی حُسن کا احساس پیدا کرتا ہے۔ معنوی سطح پر بھی جمالیات کے جس قدر زاویے ہو سکتے ہیں وہ فصاحت و بلاغتِ قرآن کے اعجاز میں گُندھے ہوئے یکجا ہو گئے ہیں۔ تین آیات ۹ تا ۷ (والسمآء رَفَعَھَا وَ وَضَعَ المیزان ٭ الّا تطغوا فی المیزان ٭

والسمو االوزن بالقسط ولا تخسرُو االمیزان ۰) کو جمالیات کے فلسفے کی کلید کہا جاسکتا ہے۔ پہلی آیت میں میزان قائم کرنے کا ذکر ہے، دوسری آیت میں اس قائم کردہ میزان میں سرکشی و زیادتی سے روکا گیا ہے، تیسری آیت میں خسارے، کمی سے بھی روکا گیا ہے گویا "عدل" کی وضاحت کے ساتھ اُس کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ اسلام نے عدل کو حُسن کا معیار قرار دیا ہے۔ عدل اپنی ذات (احساسات، جذبات اور افعال) سے شروع ہوکر معاشرے اور مظاہرِ فطرت تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔ یہاں دوسری آیت کا انداز یعنی سرکشی سے روکنے کا اُسلوب خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس نے روحِ ارضی میں پہلی متمدن بستی "مدینہ" کا نگینہ جڑا۔ فکر و عمل کی ایسی حسین مثال شاید دنیا کا کوئی مذہب پیش نہ کر سکے۔ اسلام نے دنیا میں عدل کا حکم دیا ہے اور اسی پیمانے پر یومِ حساب کی کامیابی کا مدار رکھا ہے (جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ دیکھ لے گا، اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ بھی دیکھ لے گا)۔ وہی چیز حسین ہے جو ہر جگہ حسین ہے اور وہی اصول درست ہے جو ہر جگہ درست بیٹھتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معاشرتی جمالیات کا نگہبان کون ہے؟ انبیا کے بعد معاشرے میں ترتیب، توازن، سلیقہ، ہم آہنگی اور عدل کی شعوری کوشش کس کی ذمہ داری ہے؟ اوّل تو یہ کی ہر مذہب کی تعلیمات اپنے پیروؤں سے عمل کا تقاضا کرتی ہیں۔ چونکہ یہ تعلیمات دانشِ نورانی اور دانشِ برہانی دونوں کا مرقع ہیں اس لیے انفرادی و اجتماعی جمال کے لیے اصول و ضوابط تلاش کیے جاسکتے ہیں اور ہر فرد انفرادی سطح پر معاشرتی جمال میں اپنا حصہ ڈال سکتا ہے۔ لیکن علم کی میراث سے استفادے کے لیے تربیت کا ہونا بھی لازم ہے۔ اسلامی دنیا میں اس تربیت کے لیے دو اندازِ نظر شریعت اور طریقت اپنے اپنے دائرے میں کارفرما رہے ہیں۔ علم کے باقی دھاروں (دنیاوی علوم) کا استخراج بھی انھی سے ہوا ہے تاہم وہ خارج از بحث ہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں ابتدائی سطح پر عقائد و ایمانیات کی تعلیم کے بعد علومِ ظاہری و علومِ باطنی کی تقسیم روا رکھی گئی تھی۔ یہ اس طرح آمیخت تھی کہ اس کا نتیجہ باشرع، صاحبِ نظر، مفکر، محقق، نظریہ

سازسائنسدان کی صورت میں نکلتا رہا۔ یوں زندگی اور اس کے ہر گوشے میں متوازن انداز میں جمال کی نمو کا ساماں رکھا گیا تھا۔ مولانا رومؒ اس کی روشن مثال ہیں۔ فلسفے، سائنس، الٰہیات، طب، معاشرت، اخلاق اور نفسیات کے کتنے ہی ایسے عقدے ہیں جو جدید سائنس نے دریافت کر لیے ہیں بے شمار ایسے ہیں جن کی زمام ابھی اس کی دسترس میں نہیں آئی۔ مولانا اگر یہ فرماتے ہیں:

خاک وباد و آب وآتش بندہ اند

بامن وتو مردہ ، باحق زندہ اند

تو اس میں علومِ ظاہری کے خواص اور علومِ باطنی کے اسرار پوشیدہ ہیں۔ یہ وہ کلیمی ہے جس میں حکیمی بھی شامل ہے۔ روح اور مادہ کائنات کے دو بنیادی اجزا ہیں۔ دونوں کے خواص سے کامل آشنائی ضروری ہے بصورتِ دیگر مادی سطح پر تشخیص نارسائی کا شکار رہے گی جو روحانی علاج سے قاصر ہوگی۔ اخلاقی درس کی مثال بھی دیکھ لیجیے جس میں حرکت، جستجو، تڑپ، ریاضت، قناعت، پختگی اور نہ جانے کن کن کیفیتوں کو سمو دیا گیا ہے۔

کوزۂ چشمِ حریصاں پُر نہ شُد

تا صدف قانع نہ شُد، پُر دُر نہ شُد

یہ علم کی وہ سطح ہے کہ جہاں جمال آفرینی کے خزانے لٹائے جاتے ہیں، خبر بھی ہے نظر بھی ہے اور شعورِ ذات کے روشن مقامات بھی ہیں۔ یہ وہ بحرِ بے کنار ہے جس میں عرفان کے سمندر بھی شامل ہیں اور حکمت کے دریا بھی۔ شریعت اور طریقت میں اتصال کے ساتھ آنے والے زمانوں عصری علوم کی آمیزش ہے۔ ہم نے علم کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا اور علم کی ناپختہ شراب نے ہمیں مستِ مئے پندار کر کے تقسیم کیا۔ تقسیم نے اپنے ارتقا کو جاری رکھتے ہوئے ناانصافی کی دلدل میں لا کھڑا کر دیا۔ شعور اس سطح پر کھڑا ہے کہ الاماں......اب شاعر کہتا ہے:

کُن کہا......اور بن گئی دنیا

ایسی جلدی میں ایسی بنی تھی

یہ حُسن سے نا آشنائی نہیں ہے بلکہ حُسن کے کرشمات اور طلسمات کی نارسائی ہے۔ یہ وہ عدم توازن ہے جو نظریاتی سطح پر پیش کیا گیا، جس نے عملی میدان میں انتشار کو فروغ دیا۔ یہ شکستِ ذات ہے، شکستِ معاشرہ ہے اور شکستِ حسنِ کائنات ہے۔ ویسے بھی شعبوں کی تخصیص اور مہارت نے کون سا انسانیت کو ہمدردی کا ہاتھ تھما دیا ہے۔ علمِ نافع ہی معاشرتی جمال کا آئینہ دار ہے اور اسی کا فروغ ہی معاشرتی جمالیات کا ضامن ہے۔ یہ اُسی صورت میں ممکن ہے جب ہم اپنے علم کے مختلف دھاروں کو ایک مرکز پر لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

(علامہ محمد اقبالؒ)

تصوف

_____ سید شاکر القادری چشتی نظامی

لفظ "تصوف" اور "صوفی" کی لغوی بحث میں ماہرینِ لسانیات و محققین کا ہر دور میں اختلاف رہا ہے چونکہ قرآن وصحاح ستہ میں یہ لفظ موجود نہیں اور عربی زبان کی قدیم لغات میں اس لفظ کا وجود نہیں اس لیے ہر دور کے علماء اور محققین اس بارے میں مختلف آراء اور خیالات ظاہر کرتے رہے۔ حضرت سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری ثم لاہوری معروف بہ داتا گنج بخشؒ (۴۰۰۔۴۶۵ھ/۱۰۰۹ء۔۱۰۷۲ء) (۱) فرماتے ہیں:

"مردمان اندر تحقیق ایں اسم بسیار سخن گفتہ اند و کتب ساختہ"

لوگوں نے اس اسم کی تحقیق کے بارے میں بہت گفتگو کی ہے اور کتابیں لکھی ہیں۔(۲)

کسی کا کہنا ہے کہ عہد جاہلیت میں "صوفہ" نامی ایک قوم تھی جو اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو ہو گئی تھی، بت پرستی سے گریز کرتی تھی اور خانہ خدا کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا پس جن لوگوں نے اس قوم سے مشابہت اختیار کی وہ صوفیہ کہلائے۔ چنانچہ کوفہ کے ایک محدث ولید بن القاسم (م:۸۳ھ/ ۷۰۲ء) (۳) سے صوفی کی نسبت کے بارے میں استفسار کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا:

۔ 'قوم فی اجاھلیتہ یقال لھم صوفہ انقطوا الی اللہ عزوجل وقطنوا الکعبہ فمن تشبہ بھم فھم الصوفیتہ'.

جاہلیت میں صوفہ نامی ایک قوم تھی جو اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو ہو گئی تھی جس نے خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر لیا تھا پس جن لوگوں نے ان سے مشابہت اختیار کی وہ صوفیہ کہلائے۔(۴)

"صوفہ" قوم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ خانہ کعبہ کے مجاور تھے اور حاجیوں کے آرام

وآرائش کے لیے انتظامات کیا کرتے تھے۔اس قوم کا پہلا شخص ''غوث بن مُر'' تھا۔کہا جاتا ہے کہ غوث کی ماں کی کوئی اولاد نہ تھی اور اس نے منت مانی تھی اگر اس کے لڑکا تولد ہوا تو وہ اسے خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کرے گی چنانچہ لڑکا تولد ہوا تو اس کا نام ''غوث'' رکھا گیا جو کہ بعد میں ''صوفہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔اور اس کی اولاد بھی صوفہ کہلائی۔صوفہ کو ''آل صوفان'' اور ''آل صفوان'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔(۵)

لفظ صوفی کے اس اشتقاق کے بارے میں علماء مختلف الخیال ہیں کچھ کے نزدیک عربی زبان وقواعد کی رو سے لفظ ''صوفہ'' سے ''صوفی'' نہیں بلکہ ''صوفانی'' بنتا ہے۔جبکہ بعض ماہرینِ فن اس اشتقاق کو درست مانتے ہیں اور اس سلسلہ میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر ''کوفہ'' سے ''کوفانی'' کا الف نون گرا کر ''کوفی'' بن سکتا ہے تو ''صوفہ'' سے ''صوفی'' کا اشتقاق کسی طور غلط نہیں ہوسکتا۔تاہم اس رائے کا اعتبار اس وجہ سے نہیں کہ ایک غیر معروف قوم جس کا امتیاز رہبانیت رہا ہو، کی طرف انتساب کو مسلمان اچھی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔

کسی کا خیال ہے کہ صوفی یا تصوف لفظ ''صف'' سے ماخوذ ہے کیونکہ صوفیہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے حضور صفِ اول میں کھڑے ہیں یعنی وہ لوگ جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں چنانچہ شیخ ابوالحسین نوریؒ (م۲۹۵ھ/۹۰۷ء)(۶) قول ہے:

'الصوفیته هم الذی صفت ارواحهم فصاروافی الصف الاول بین یدی الحق'.

''صوفیہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی روحوں کو صاف کیا پس وہ اللہ کے حضور صف اول میں ہوگئے''(۷)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ (۳۷۶۔۴۶۵ھ/۹۸۶۔۱۰۷۲ء)(۸) کے نزدیک تصوف ''صفوۃ'' سے بنا ہے جس کے معنی بزرگی کے ہیں اس لفظ کو بہترین اور خالص کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔چنانچہ امام موصوف کے بیان کے مطابق ایک دن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"ذھب صفو الدنیا وبقی الکدر فالموت الیوم تحفت لکل مسلم"

''دنیا کی صفائی جاتی رہی اور کدورت باقی رہی۔ پس موت آج ہر مسلمان کے لیے تحفہ ہے''(۹)

امام قشیریؒ کے بقول چونکہ اس جماعت کے لوگ خدا اور رسول ﷺ سے خالص تعلق پر زور دیتے ہیں اس لیے یہ صوفیہ کہلائے اور یہ جماعت اسی نام سے مشہور ہوئی۔ امام قشیریؒ کا کہنا ہے عربی زبان کے قیاس اور قاعدہ اشتقاق سے اس نام کی تائید نہیں ہوتی اس لیے لگتا ہے۔ کہ یہ لقب کے طور پر مشہور ہوا۔ (۱۰)

ایک طبقہ کی رائے ہے کی صوفی ''صفا'' سے مشتق ہے اور صوفیہ کی بڑی جماعت اس رائے کی قائل ہے۔ چنانچہ شیخ بشر بن حارث الحافی {۱۵۰۔۲۲۷ھ/ ۷۶۷۔۸۴۱ء} (۱۱) کا قول ہے کہ:

'الصوفی من صفا قلبہ للہ'

''صوفی وہ ہے جس نے اللہ کے لیے اپنے دل کو صاف کیا''(۱۲)

حضرت سید ابوالحسن علی بن وعثمان الجلابی الہجویری ثم لاہوری بہ داتا گنج بخش، شیخ زکریا انصاری(۸۲۳۔۹۲۶ھ / ۱۴۲۰۔۱۵۲۰ء)(۱۳)، غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادرؒ جیلانی، (۴۷۱۔۵۶۱ھ/ ۱۰۷۸۔۱۱۶۶ء) (۱۴) اور بہت سے دوسرے اکابر صوفیا اسی نظریہ سے متفق ہیں۔

غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادرؒ جیلانی کا قول ہے:

''صوفی ''فوعل'' کے وزن پر ہے اور یہ مصافاۃ سے ماخوذ ہے یعنی وہ بندہ جسے حق تعالیٰ عزوجل نے صاف کیا''(۱۵)

حضرت سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری ثم لاہوری معروف بہ داتا گنج بخش کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:

ہر ایک کے نزدیک تصوف کے معانی کی تحقیق میں بہت سے لطائف ہیں مگر لغت کے اعتبار سے اس لفظ تصوف کے مفہوم سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے پس ان سب میں سے صفا قابل تعریف ہے اور اس کی ضد کدورت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"دنیا کی صفائی جاتی رہی اور اس کی کدورت باقی رہ گئی" کسی چیز کی لطافت، خوبی اور پاکیزگی کا نام صفائی اور کسی چیز کی کثافت اور میلا پن اس کا تکدر ہے۔پس جب اس قصہ والوں یعنی اہل تصوف نے اپنے تمام اخلاق و معملات کو مہذب کر لیا اور اپنی طبعیت کو آفات و رزائل بشری سے بچالیا اس لیے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔(۱۶)

حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں کسی شاعر کا یہ شعر نقل کیا ہے جس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے:

ان الصفا صفتہ الصدیق

ان اردت صوفیا علی التحقیق

"اگر تم حقیقتاً صوفی بننا چاہتے ہو تو تمہیں صدیق اکبر کی پیروی کرنا ہوگی کیونکہ صفائے باطن ان کی صفت ہے"۔(۱۷)

بعض مؤرخین صوفی کو یونانی لفظ "سوف" سے ماخوذ بتاتے ہیں جس کے معنی حکمت و دانائی کے ہیں۔یورپ کے کچھ مستشرقین کا خیال یہی ہے۔علامہ ابوریحان البیرونی (۳۶۲ـ۴۴۰ھ/۹۷۳ـ۱۰۴۸ء)(۱۸) کتاب الہند میں لکھتے ہیں:

'ھذا رای السوفیہ و ھم الحکماء فان سوف بالیونانیتہ الحکمتہ وبھا یسمی الفیلسوف فیلا سوفا ای محب الحکمتہ ولماذھب

فی الاسلام قوم الی قریب من رایھمسو اہا سمھم ولم یعرف اللقب'

"یہ صوفیہ کی رائے ہے جو حکماء ہیں کیونکہ سوف یونانی زبان میں حکمت کو کہتے ہیں اسی لیے فلسفی کو فلاسفر کہا گیا کیونکہ وہ حکمت سے محبت رکھتا ہے۔اور مسلمانوں میں ایک طبقہ ان کی رائے کے قریب ہوگیا تو وہ بھی انہی کے نام سے موسوم ہوا" (۱۹)

علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء) (۲۰) بھی اسی رائے کی تائید کرتے ہیں ان کے خیال میں تصوف کا لفظ "سین" سے تھا جس کا مادہ "سوف" یعنی حکمت تھا دوسری صدی میں یونانی کتابوں کے تراجم ہوئے تو یہ لفظ عربی میں آیا اور بعد میں "ص" سے لکھا جانے لگا۔ (۲۱)

بعض علماء کا خیال ہے کہ صوفی کی اصل "صفہ" ہے صفہ پیش دالان یا چبوترہ کو کہتے ہیں۔عہد رسالت ﷺ میں کچھ لوگ مسجد نبوی کے شمال میں واقع ایک چبوترے پر قیام رکھتے تھے۔انہیں "اصحابِ صفہ" کہتے ہیں۔یہ وہ صحابی تھے جن کے پاس بجز توکل اور فقر وقناعت کے کوئی سرمایہ نہ تھا۔اور یہ ماسوائے عبادت کے دنیا کے کسی کام میں دلچسپی نہ لیتے تھے انھوں نے دنیا کو بالکل ترک کر رکھا تھا حتیٰ کہ کھانے پینے سے بھی کوئی رغبت نہ تھی۔اس نظریہ کے حامل علماء کی رائے میں یہ صوفیاء کی پہلی جماعت تھی جس نے صوفیانہ ریاضت ومجاہدہ کو تمام دنیوی امور پر مقدم سمجھا اور مستقل طور پر بارگاہ نبوی ﷺ میں رہ کر سلوک وطریقت کی منازل طے کیں، انھی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھہ

"اور ان لوگوں کو دور نہ کیجئے جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اس کی ذات پاک کی خواہش رکھتے ہیں" (۲۲)

اور ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے:

"للفقراء الذين احصروا فی سبیل الله لا یستطیعون ضربافی الارض یحسبهم الجاهل اغنیاء من التعفف تعرفهم بسیماهم"

خیرات ان لوگوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں رکے ہوئے ہیں (کسب کے قابل نہیں رہے۔ دین کے کاموں میں ہمہ تن مشغول ہیں) وہ زمین پر چل پھر نہیں سکتے۔ ناواقف ان کو سوال نہ کرنے کے باعث تونگر اور دولت مند سمجھتے ہیں۔ تم ان کو ان کے چہرے سے پہچان لیتے ہو۔ (۲۳)

لفظ صوفی کی اصل "صفہ" ہونے کے قائلین کا خیال ہے کہ اصحابِ صفہ ہی دراصل گروہ صوفیہ کے پیش رو تھے۔ ان کے نزدیک لغوی طور پر "صفہ" سے لفظ "صوفی" کا بننا درست نہ قرار پائے تب بھی لغوی طور پر درست ہے کیونکہ "صوفیہ" کا حال بالکل "اصحاب صفہ" کے مشابہہ و مماثل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام صوفیہ اصحابِ صفہ کی طرف منسوب ہونا اپنے لیے باعث فضیلت وافتخار سمجھتے ہیں۔

اصحاب صفہ کی تعداد سات سو تک بیان کی جاتی ہے۔ یہ لوگ مسجد نبوی کے چبوترہ پر قیام کرتے اور ہمہ وقت تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کی جدوجہد میں مصروف رہتے تھے۔ اصحابِ صفہ میں کم کھانا اور تجرد، دو نمایاں خصوصیات تھیں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

'کان اذاصلی بالناس بخر رجال من قامتهم فی الصلاة من الخصاصه و هم اصحاب الصفه حتی تقول الاعراب هولاء مجانین او مجانون فاذاصلی رسول الله انصرف الیهم فقال لو تعلمون ما لکم عندالله لا جیتم ان تزدادو افاقه و حاجه'

جب حضورﷺ نماز پڑھا رہے ہوتے تو اصحاب صفہ میں کئی افراد بھوک کے باعث کمزوری کی وجہ سے گر پڑتے۔ اعراب کہتے یہ لوگ پاگل ہیں۔ جب

حضور پاک ﷺ نماز سے فارغ ہوتے تو ان کے طرف متوجہ ہو کر فرماتے ''اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا (ثواب) ہے۔ تو تم فقر اور فاقہ کا اضافہ چاہتے۔'' (۲۴)

اصحاب صفہ کے تجرد کے بارے میں امام سعدیؒ اور علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

''ان لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت ﷺ کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی۔ ان کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تو اس حلقہ سے نکل جاتے تھے'' (۲۵)

حضرت عبداللہ بن عباس راوی ہیں کہ:

وقف رسول اللہ ﷺ اصحاب الصفته فرای فقر هم و جهه هم و طلب قلوبهم فقال ابشر و ایا اصحاب الصفته فمن بقی من امتی علی النعت الذی انتم علیه رضیاً بم آفیه فانهم من رفقائی فی الجنته.

رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ کے پاس جا کے کھڑے ہو گئے اور ان کی تنگ دستی اور مجاہدے اور پھر اس حالت میں ان کے قلوب کے اطمینان کو دیکھا تو فرمایا اے صفہ والو! تمہیں مبارک کہ میری امت کا جو شخص اس صفت پر رہے گا جس پر تم ہو پھر اس پر راضی بھی رہے تو وہ جنت میں میرے رفقاء میں ہوگا۔ (۲۶)

بیشتر علماء جن میں شیخ ابوبکر کلاباذی (م:۳۸۰ھ/ ۹۹۰ء) (۲۷) امام ابن تیمیہ (۱۲۶۳-۱۳۲۸ء) (۲۸) علامہ ابنِ خلدون (م:۱۳۳۲-۱۴۰۶ء) (۲۹) وغیرہ شامل ہیں کے مطابق تصوف ''صوف'' یعنی اون سے بنا ہے اس نظریہ کے قائلین کا خیال ہے کہ چونکہ اونی لباس انبیائے کرامؑ اور اولیائے عظامؒ کا پہناوا اور شعار رہا ہے اور صوف کو ہمیشہ ترک دنیا کی علامت سمجھا گیا ہے اس لیے اہلِ تصوف نے اس لباس کو اختیار کیا جس کی بنا پر یہ گروہ صوفیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ان کے نزدیک ان کا یہ معمول سنت نبوی ﷺ سے ماخوذ ہے چنانچہ مغیرہ بن شعبہؓ سے

روایت ہے کہ:

فغسل وجهه ويديه وعليه جبه من صوف'

''پھر آپ ﷺ نے اپنے چہرہ اقدس اور دونوں ہاتھوں کو دھویا اس وقت آپ نے اونی جبہ زیب تن فرمایا ہوا تھا'' (۳۰)

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ:

ولبس رسول اللہ ﷺ الصوف'

''رسول اللہ ﷺ نے اونی لباس'' (۳۱)

المواہب اللدنیہ میں روایت ہے:

'كان رسول الله ﷺ يلبس ثيابا من الصوف'

''حضور ﷺ اونی لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے'' (۳۲)

لفظ ''صوفی'' کے اشتقاق کے بارے میں علامہ ابنِ خلدون کی رائے کچھ اس طرح ہے:

''ہمارے نزدیک یہ بات زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ صوفی کا اشتقاق ''صوف'' ہی سے ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اول اول جب دوسرے لوگوں نے لباس فاخرہ پہننا شروع کیا تو انھوں نے پشمینہ کو ترجیح دی تا کہ ان میں اور اُن لوگوں میں امتیاز ہو سکے جن کی جہات دینی کو دنیا کی لذتوں نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ پھر جب زہد اور مخلوق سے علیحدگی وانفراد اور عبادت وذوق ہی ان کا شیوہ قرار پایا تو ترقیات روحانی ان کے ساتھ مخصوص ہوئیں اور یہی اختصاص ان کی پہچان ہوئی۔'' (۳۳)

شیخ سید ابوالحسن علی بن الجلابی الہجویری ثم لاہوری معروف بہ داتا گنج بخش کشف المحجوب پشمینہ پوشی کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یاد رکھیں صوفیا کا طریقہ کمبل اور گدڑی پہننا ہے اور مرقعات ہے بایں وجہ کہ

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "علیکم بلبس الصوف تجدون علاوة الایمان فی قلوبکم" اپنے اوپر صوف کا پہننا لازم کرلو تو دلوں میں ایمان کا مٹھاس پاؤ گے نیز ایک صحابی کا قول ہے۔ "کان النبی صلی الله علیه و آله و سلم یلبس الصوف و یر کب الحمار" "نبی کریم رؤف الرحیم صوف پہنتے تھے اور گدے پر سواری فرمایا کرتے تھے نیز پیغمبر علیہ السلام نے سیدہ طاہرہ حمیرا حضرت عائشہ سے فرمایا" ولا تضیعیالثوب حتیٰ ترقیه" جب تک کپڑے پر پیوند نہ لگالو کپڑے ضائع نہ کرو اور فرمایا تمہیں پشم کا لباس پہننا چاہئے"(۳۴)

حضرت داتا گنج بخشا ایک اور مقام پر خواجہ حسن بصریؒ (۲۱۔۱۱۰ھ/۶۴۳۔۷۲۸ء)(۳۵) کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"میں نے ستر بدری صحابہ کی زیارت کی جن کا لباس پشم تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے تجرد عن الدنیا کی وجہ سے ہمیشہ صوف کا لباس پہنتے تھے"(۳۶)

مزید لکھتے ہیں:

"امیر المؤمنین عمر ابن خطابؓ، امیر المؤمنین سیدنا علی ابن ابی طالبؓ اور حرم بن حیانؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے اویس قرنیؓ کو بھی اون کا لباس پہنے دیکھا جس پر کئی پیوند لگے تھے"(۳۷)

اس کے علاوہ مختلف کتب تصوف و تاریخ میں اکثر اکابر صوفیا کی پشمینہ پوشی کی بارے میں تواتر سے لکھا گیا ہے جس کی اجمالی صورت کچھ اس طرح ہے:

☆ اور داؤد طائی جو کہ محقق صوفیا میں سے ہیں صوف کا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔(کشف المحجوب)

☆ حضرت ابراہیم بن ادھم اون کا لباس زیب تن فرما کر حضرت امام بن حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔(کشف المحجوب)

☆ بہلول ابن زہیب نے جب زاہدانہ زندگی شروع کی تو صوف پہن کر مدینہ کی پہاڑیوں میں چلا گیا۔

☆ شیخ ابراہیم بن ادھم نے زہد اختیار کیا تو اک گذریے سے صوف کا جبہ حاصل کیا۔(طبقات الصوفیہ)

☆ حضرت حماد بن سلمہ جب بصرہ گئے تو حضرت حسن بصری کے شاگرد فرقد سے بجی صوف کا لباس پہنے ان سے ملنے آئے۔(العقد الفرید)

☆ عبدلکریم ابوامیہ صوف کا لباس پہن کر ابوالعالیہ کے پاس گئے۔(تلبیس ابلیس)

☆ قتیبہ بن مسلم نے بصرہ کے اک زاہد محمد بن واسع سے صوف پہننے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ سے کہوں کہ فقر کی وجہ سے پہنا ہے اس صورت میں اپنے رب کی شکایت کروں گا اور یہ بھی نہیں کہنا چاہتا کہ زہد کی وجہ سے پہنا اس صورت میں اپنی بزرگی جتاؤں گا۔(العقد الفرید، احیاء العلوم)

صوف تارک الدنیا لوگوں کے لباس کی حیثیت سے اس قدر مشہور ہو چکا تھا کہ نام نہاد صوفی اور زاہد بھی اس لباس کو اپنانے لگے اور بعض ایسے لوگ بھی اس لباس کو پہننے لگے جو اپنے دلوں میں کبر ونخوت کے بت سجائے ہوئے تھے اور یہ محض اِک رسم ورواج بن کر رہ گیا۔ حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں:

> اب اگر اہلِ زمانہ سے بعض دنیاوی جاہ جمال کی خاطر گذری پہنتے ہیں اور ان کا باطن ظاہر حال کے خلاف ہے تو یہ جائز ہے اس لیے کہ پورے لشکر میں مرد میدان بہادر بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح پوری قوم میں محقق ایک آدھ ہوا کرتا ہے لیکن ان کے تمام اصحاب کو انھی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ ایک چیز میں تو ان کے مشابہ ہوتے ہیں اس لیے گذری پوش بھی ایک آدھ چیز میں تو صوفیوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کا

فرمانِ عالی شان ہے کہ "من تشبہ بقوم فھو منھم" "جس نے کسی قوم کی لباس یا اعتقاد رسم و رواج میں مشابہت اختیار کی اس قوم سے شمار ہوگا۔ ایک جماعت کی نگاہ ان کی ظاہری راہ و رسم پر پڑتی ہے اور دوسری جماعت کی ان کے باطن اور ستر پر پڑتی ہے۔ (۳۸)

یہ تو تھی لفظ تصوف کی لغوی بحث بالکل اسی طرح صوفی اور تصوف کی معنوی تعریف میں بھی بہت کچھ کہا گیا ہے ہر صوفی نے اس کی تعریف اپنے ذوق اور حال کے مطابق کی ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ایک ہی صوفی کی بیان کردہ تعریفات بظاہر باہم متعارض نظر آتی ہیں لیکن ذوق و وجدان اور حال وقال کی مختلف کیفیات کو مدنظر رکھا جائے تو یہ تضاد بالکل ختم ہو جاتا ہے کیونکہ ایک صوفی جب راہِ سلوک کو طے کرتا ہوا مختلف احوال و مقامات سے گزرتا ہے تو وہ ہر حال اور ہر مقام کی نسبت سے تصوف کی تعریف اور تعبیر بھی کرتا ہے۔ بہر حال تصوف اور صوفی کی جس قدر بھی معنوی تعریفیں اور تعبیریں کی گئی ہیں اگر چہ وہ تمام کی تمام جامع ہیں لیکن ہم عام الفاظ میں تصوف کی ایک جامع تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں کہ:

"تصوف ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ سعادت ابدی کے حصول کی خاطر تزکیہ نفس، تصفیہ اخلاق اور ظاہر و باطن کی درستی و یکسانیت کے احوال وافعال کا علم وعمل حاصل ہوتا ہے"

جاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حواشی وحوالہ جات:

(۱) حضرت سید ابوالحسن بن عثمان الجلابی الجویری ثم لاہوری معروف بہ داتا گنج بخش (۴۰۰۔۴۶۵ھ/۱۰۰۹/۱۰۷۲ء) ہجویر اور جلاب غزنین کی دو گاؤں ہیں شروع میں آپ کا قیام یہیں رہا اس لیے ہجویری اور جلابی کہلائے۔ سلسلہ نسب حضرت علیؓ سے ملتا ہے۔ روحانی تعلیم جنیدیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن ختلیؒ سے پائی۔ پیر کی حکم سے ۱۰۳۹ء میں

لاہور پہنچے۔ کشف المحجوب آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ لاہور بھاٹی دروازہ کے باہر آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ عوام آپ کو گنج بخش (خزانے بخشنے والا) اور داتا صاحب کہتے ہیں اور آپ انھی القابات سے مشہور ہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا فیروز سنز)

(۲) حضرت سید ابوالحسن بن عثمان الجلابی الہجویری۔ کشف المحجوب۔ ص ۲۷، ۲۸

(۳) الولید بن القاسم بن الوید ہمدانی کا تعلق کوفہ سے تھا۔ علماء رجال میں سے امام احمد بن حنبلؒ، ابن حبانؒ اور ابن عدیؒ انھیں ثقہ قرار دیتے ہیں مگر مشہور ماہرِ فن یحییٰ ابن معینؒ انھیں ضعیف کہتے ہیں۔ ابنِ حجر عسقلانیؒ انہیں حفاظِ حدیث کے آٹھویں طبقہ میں شمار کرتے ہیں۔ اس طبقہ میں شمار افراد پر ضعف کا اطلاق ہوتا ہے اگرچہ ضعف کی صراحت نہیں کی گئی۔

(۴) محمد بن طاہر المقدسی، صفوۃ التصوف، تعلیق: احمد شرباصی، دار التصنیف مصر، ۱۳۷۰ھ/۱۹۸۱ء، ص:۷ بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف (قرآن و سنت کی روشنی میں) ناشر محمد شاہد عادل، لاہور، ۱۹۷۷ء

(۵) ابو القاسم محمود بن عم الزمخشری۔ اساس البلاغۃ۔ تحقیق استاد عبد الرحیم محمود دار المعرفۃ، بیروت لبنان، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۳ء۔ ص: ۲۶۲۔ بحوالہ ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف (قرآن وسنت کی روشنی میں) ناشر محمد شاہد عادل، لاہور، ۱۹۷۷ء

(۶) ابوالحسین احمد بن محمد بن محمد المعروف بہ شیخ ابوالحسین نوریؒ بغداد میں پیدا ہوئے شیخ سری سقطیؒ کے مرید تھے۔ سلسلہ نوریہ آپ سے منسوب ہے۔ آپ کی تعلیمات سلسلہ جنیدیہ سے ملتی جلتی ہیں۔ شیخ جنید بغدادیؒ آپ کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔ آپ صاحبِ کشف و شہود بزرگ تھے۔ (حلیۃ الاولیاء، طبقات الکبری، نفحات الانس وغیرہ)

(۷) شیخ ابوالحسن سید علی بن عثمانؒ ہجویری ثم لاہوری۔ کشف المحجوب، مترجم محمد اسحاق ظفر، مشتاق بک کارنر، لاہور۔ س۔ن۔ ص: ۶۳

(۸) امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ (۳۷۶۔۴۶۴/ ۹۸۶۔۱۰۷۲ء) خراسان

میں علم وفضل کے امام اور تصوف کے شیخ تھے۔ شیخ ابوعلی دقاقؒ سے خرقہ تصوف حاصل کیا۔ نیشاپور میں وفات پائی اور اپنے مرشد کے پہلو میں دفن ہوئے "الرسالۃ القشیریہ" آپ کی تصنیف ہے (خطیب بغدادی۔ تاریخ بغداد۔ بحوالہ ڈاکٹر غلام قادرلون، مطالعہ تصوف (قرآن وسنت کی روشنی میں) ناشر محمد شاہد عادل، لاہور، ۱۹۷۷ء، حاشیہ، ص:۱۸)

(۹) امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ الرسالۃ القشیریہ

(۱۰) امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ الرسالۃ القشیریہ

'لیس یشھد لھذا الاسم من حیث العربیہ قیاس ولا اشتیاق والا ظھر انہ فیہ کاللقب.'

(۱۱) ابونصر بشر بن الحارث بن علی عبدالرحمان المعروف بہ حافی مرو کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں مشہور آئمہ سے حدیث سنی۔ زہد وتقویٰ اور ریاضت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ کو تمام آئمہ حدیث نے ثقہ قرار دیا ہے۔ آپؒ کا انتقال ہوا تو تمام محدثین کو انتہائی رنج ہوا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ان کی موت کی خبر سن کر فرمایا "انھوں نے اپنی مثال نہیں چھوڑی" (الطبقات الکبریٰ البدایہ والنہایہ سفینۃ الاولیاء وغیرہ)

(۱۲) ابوالعلا عفیفی، التصوف، اسکندریہ، مصر، ۱۹۶۳ء ص:۱۳ بحوالہ ڈاکٹر غلام قادرلون، مطالعہ تصوف (قرآن وسنت کی روشنی میں) ناشر محمد شاہد عادل، لاہور، ۱۹۷۷ء: حاشیہ ص:۲۰

(۱۳) شیخ زکریا انصاریؒ (۸۲۳۔۹۲۶ھ/۱۴۲۰۔۱۵۲۰ء) شیخ الاسلام، قاضی، مفسر اور عالم حدیث تھے۔ مصر میں پیدا ہوئے۔ قاضی کے عہدے سے معزولی کے بعد جامع مسجد میں فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ رات کو نکلتے تو تربوزہ کے چھلکے اٹھا کر کھاتے۔ مدتوں ان کے زہد وتقویٰ اور فضل وکمال کا لوگوں کو پتا نہیں چلا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور منطق میں کثیر التصانیف عالم تھے۔ مطالعہ تصوف (قرآن وسنت کی روشنی میں) ناشر محمد شاہد عادل، لاہور، ۱۹۷۷ء حاشیہ، ص ۲۱:)

(۱۴) غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادرؒ جیلانی (۴۷۰-۵۶۱ھ/۱۰۷۸-۱۱۶۶ء) مشہور صوفی بزرگ، ایران کے قصبہ گیلان میں پیدا ہوئے۔ ۱۸ سال کی عمر میں والدہ کی اجازت سے بغرض حصول تعلیم بغداد تشریف لے گئے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد عبادت و مجاہدات شروع کئے۔ ۲۵ برس تک دن رات یادِ حق کے سوا کچھ کام نہ تھا۔ سالہا سال عشاء کے وضو میں صبح کی نماز پڑھی۔ بے شمار راتیں آنکھوں میں گزر گئیں اور پلک سے پلک نہ ملنے دی۔ نیند کا غلبہ ہوتا تو ایک پاؤں پر کھڑے ہو جاتے اور نفلوں میں پورا قرآن ختم کر دیتے۔ عبادت و ریاضت اور صحرا نوردی میں عرصہ دراز گزرنے کے بعد بغداد میں وعظ کرنے لگے۔ آپؒ کے صاحبزادے ابو عبداللہؒ راوی ہیں کہ آپؒ ہفتہ میں تین بار تقریر عام کرتے تھے۔ چالیس برس تک دین کی علمی و روحانی خدمت انجام دی۔ چار سو آدمی آپ کا وعظ قلمبند کرتے جاتے تھے۔ فقہ میں آپ امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ کے پیرو تھے۔ آپ کی تصانیف ''فتوح الغیب اور الطالبین'' بہت مشہور ہیں۔ تمام اکابر صوفیا آپؒ کی جلالت منصب کے قائل ہیں۔ صوفیہ کا تذکرہ آپ کے ذکر سے خالی نہیں،۔ تصوف میں سلسلہ قادریہ آپ ہی سے منسوب ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا فیروز سنز)

(۱۵) حضرت عبدالقادر جیلانیؒ۔ غنیۃ الطالبین ص ۱۰۹۔

(۱۶) شیخ ابوالحسن سید علی بن عثمانؒ ہجویری ثم لاہوری۔ کشف المحجوب، مترجم محمد اسحاق ظفر، مشتاق بک کارنر، لاہور۔ س۔ ن، ص: ۵۴

(۱۷) شیخ ابوالحسن سید علی بن عثمانؒ ہجویری ثم لاہوری۔ کشف المحجوب، مترجم محمد اسحاق ظفر، مشتاق بک کارنر، لاہور۔ ت ن۔ ص: ۵۵

(۱۸) ماہر طبعیات و فلکیات، محقق و مورخ یونانی اور ہندی فلسفہ کے ماہر اور ریاضی داں ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی شہر خوارزم کے محلہ بیرون میں پیدا ہوئے اسی نسبت سے البیرونی کہلائے۔ کئی برس تک ہندوستان میں قیام کیا اور سنسکرت زبان سیکھی۔ محمود غزنوی کے دربار سے بھی وابستہ رہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے مذہبی اور سماجی حالات پر معرکۃ الآراء کتاب لکھی

جس کا نام ''کتاب الہند'' ہے۔خوارزم میں انتقال کیا۔(انسائیکلوپیڈیا فیروزسنز)

(۱۹) ابوریحان البیرونی۔کتاب الہند۔ص ۱۶

(۲۰) علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷۔۱۹۱۴ء) مشہور شاعر، محقق، نقاد، مورخ اور سیرت نگار، اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔علومِ دینیہ کے فروغ کے لیے قائم ہونے والے مشہور ادارے ''ندوۃ العلماء'' کے بانی، حکومت کی جانب سے شمس العلماء کا خطاب ملا، ترکی کے سلطان کی جانب سے تمغہ مجیدی عطا ہوا۔ان کا خاص موضوع تاریخ تھا۔جدید طرز تنقید و تنقیح کے مطابق کئی سیاسی اور ادبی تاریخیں لکھیں، اردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے۔ان کی تصانیف میں :الفاروق، المامون، الغزالی اور سیرۃ النبیؐ وغیرہ شامل ہیں۔

(۲۱) علامہ شبلی نعمانی۔الغزالی، ص ۱۰۴

(۲۲) القرآن الحکیم: سورہ الانعام ۶:۵۶

(۲۳) القرآن الحکیم: سورہ بقرہ ۲:۲۷۳

(۲۴) جامع الترمذی: ۲:۵۹

(۲۵) سیرت النبی مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱:۱۷۱ و حاشیہ الصاوی مطبوعہ مصر، ۱:۱۳۰ بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، سلوک و تصوف کا عملی دستور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲، ص ۴۵

(۲۶) شیخ ابوالحسن سید علی بن عثمانؒ ہجویری ثم لاہوری۔کشف المحجوب، مترجم محمد اسحاق ظفر، مشتاق بک کارنر، لاہور، س۔ن، ص: ۱۲۷

(۲۷) ابوبکر محمد بن ابراہیم الکلاباذی البخاری، بخارا کے محلہ کلاباز رہنے والے اور اسی سے منسوب ہیں۔حفاظِ حدیث اور کبار صوفیہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔تصوف میں ان کی کتاب ''التعرف المذہب اہل التصوف'' بہت مشہور ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بزرگ کا قول ہے اگر ''کتاب التعرف'' نہ ہوتی تو تصوف نہ جانا جاتا۔یہ تصوف

کی بنیادی کتابوں میں سے ہے۔(کشف الظنون وسفینۃ الاولیاء وغیرہ)

(۲۸) تقی الدین ابو العباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن محمد الحرانی الحنبلی، ساتویں پشت میں ان کی ایک دادی ''تیمیہ'' علم وفضل میں صاحب کمال تھیں اسی وجہ سے اس خاندان کا ہر شخص ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہو۔ ابنِ تیمیہ موصل اور شام کے درمیان ایک چھوٹے سے شہر حران میں پیدا ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں تحصیلات سے فارغ ہو کر علمائے کبار میں شمار ہونے لگے۔ علوم عقلی ونقلی اور علوم اہلِ کتاب کے فاضل تھے۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں امام ابنِ تیمیہ متنازعہ حیثیت رکھتے ہیں۔ تین سو کے قریب تصنیفات ہیں۔(انسائیکلوپیڈیا فیروزسنز)

(۲۹) مشہور مورخ، فقیہ، فلسفی، اور سیاستدان، پورا نام ابوزید ولی الدین عبدالرحمٰن ابن خلدون ہے۔ تیونس میں پیدا ہوئے۔ انھیں علم تاریخ اور عمرانیات کا بانی تصور کیا جاتا ہے ان کا سب سے بڑا کارنامہ ''المقدمۃ فی التاریخ'' کی تصنیف ہے جو کہ مقدمہ ابن خلدون کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تاریخ، سیاسیات، عمرانیات، فلسفہ، ادبیات، اور اقتصادیات کا گرانقدر سرمایاہے۔(انسائیکلوپیڈیافیروزسنز)

(۳۰) صحیح بخاری،۲:۸۶۳

(۳۱) سنن ابن ماجہ:۲۶۳

(۳۲) المواہب اللدنیہ:۵۷

(۳۳) مولانا محمد حنیف ندوی۔ افکارابنِ خلدون، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۷ء، ص۲۱۲

(۳۴) شیخ ابوالحسن سید علی بن عثمانؒ ہجویری ثم لاہوری۔ کشف المحجوب، مترجم محمد اسحاق ظفر، مشتاق بک کارنر، لاہور، س۔ن، ص:۷۳

(۳۵) خواجہ خواجگان حضرت ابومحمد بصری کی ولادت باسعادت ۲۱ ہجری ۶۴۲ء کو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ہوئی۔ آپؒ کے والد ماجد موسیٰ راعیؓ زید بن ثابت انصاریؓ کے

آزاد کردہ غلام تھے۔ آپؒ کی والدہ ماجدہ، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی لونڈی تھیں۔ تمام اکابر صوفیہ بالاتفاق آپ کو شیخ الشیوخ مانتے ہیں اور آپؒ کا حضرت علیؓ سے اکتساب فیض اور خرقہ خلافت پانا تسلیم کرتے ہیں۔ آپ نے آخر عمر میں بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔۔ وہیں پانچویں رجب المرجب سن ۱۱۰ ہجری بمطابق ۷۶۸ء واصل بحق ہوئے اور وہیں آپ کا مزار پرانوار ہے (سید شاکر القادری۔ چشمہ فیض، ن والقلم ادارہ مطبوعات اٹک، ص ۵)

(۳۶) شیخ ابوالحسن سید علی بن عثمانؒ ہجویری ثم لاہوری۔ کشف المحجوب، مترجم محمد اسحاق ظفر، مشتاق بک کارنر، لاہور۔ س۔ ن، ص: ۷۳

(۳۷) شیخ ابوالحسن سید علی بن عثمانؒ ہجویری ثم لاہوری۔ کشف المحجوب، مترجم محمد اسحاق ظفر، مشتاق بک کارنر، لاہور۔ س۔ ن، ص: ۷۴

(۳۸) شیخ ابوالحسن سید علی بن عثمانؒ ہجویری ثم لاہوری۔ کشف المحجوب، مترجم محمد اسحاق ظفر، مشتاق بک کارنر، لاہور۔ س۔ ن، ص: ۷۴

نعت شریف

ارشد محمود ناشاد

سازینۂ عالم کا آہنگ ترے دم سے
احساسِ تیقن ہے گلرنگ ترے دم سے

پھیلی ہے محبت کی ہر بات ترے گھر سے
اُترا ہے کدورت کا ہر زنگ ترے دم سے

نسبت تری چوکھٹ کی ، سرمایۂ ایماں ہے
ناموس ترے دم سے ، ہے ننگ ترے دم سے

پھیلا ہے ترے صدقے مضمون محبت کا
گلزار بہ داماں ہے فرہنگ ترے دم سے

ہے سایہ فگن مجھ پر ، بادل تری رحمت کا
"یہ میرے گل ولالہ خوش رنگ ترے دم سے"

جو دست وگریباں تھے ، وہ یک دل وجاں ٹھہرے
سیکھا ہے زمانے نے یہ ڈھنگ ترے دم سے

مجھ بے کس و تنہا کی ، ہے ڈھال توئی سائیں
کرتا ہوں زمانے سے میں جنگ ترے دم سے

❁

نعت شریف

شہابؔ صفدر

جو اُس گلی کے گداؤں کی صف میں آتے ہیں
وہی تو زمرۂ اہلِ شرف میں آتے ہیں

ترے طریق سے ہٹ کر جو پائیں سرانجام
عمل تمام وہ شغل و شغف میں آتے ہیں

زمانے کرنے کو تصدیقِ آیۂ میثاق
حرائے وعدہ ، حریمِ حلف میں آتے ہیں

وہیں سے ہونٹوں پہ آتے ہیں لفظ مدحت کے
گہر جہاں سے دہانِ صدف میں آتے ہیں

ترے لیے ہیں اگر گج، وہ ہاتھ اور وہ زباں
براہِ راست خدا کے ہدف میں آتے ہیں

اٹھی نگاہِ تسلی تو بے بہا ہوں گے
یہ رہ نشیں کہ شمارِ خذف میں آتے ہیں

کرو شہابؔ اُدھر رُخ کہ سب ڈرے سہمے
غزال سایۂ شاہِ نجف میں آتے ہیں

❁

نعت شریف

سیّد نصرتؔ بخاری

اس لطف پہ چھیڑے ہیں تشکر کے ترانے
اولادِ محمدؐ میں رکھا مجھ کو خدا نے

اخلاق سے گرویدہ ہوئی خلقتِ دُنیا
کردار سے تسخیر کیے سارے زمانے

معیار تو یہ ہو کہ سند دشمنِ جاں دے
کردار ہو ایسا کہ اُسے غیر بھی مانے

جو بات محمدؐ نے بتائی وہی سچ ہے
جو اس سے سوا ہوں گے وہ سب جھوٹے فسانے

میں بھی اُسی ہستی کا ثنا خوان ہوں نصرتؔ
حسان کے ہونٹوں پہ رہے جس کے ترانے

نعت شریف

حسین امجد

رہِ حیات میں مشکل اگر مقام آیا
مری زباں پہ رسولِ خدا ؐ کا نام آیا

جہاں میں چار سو ظلمت کا دور دورہ تھا
طلوعِ صبح ہوئی ، نور کا پیام آیا

خدائے پاک نے اعلیٰ مقام بخشا ہے
مرا رسول ، رسولوں کا جو امام آیا

عدوئے جاں کو محبت سے رام کر ڈالا
زباں پہ آپ کی کب لفظِ انتقام آیا

بہ جز سیاہی کے دامن میں کچھ نہ تھا امجدؔ
بہ روزِ حشر مرا نعت کہنا کام آیا

نماز: اہمیت ومسائل

تحریر: حضرت خواجہ زین الدین چشتی نظامیؒ

تہذیب وترتیب: ڈاکٹر محمد زبیر چشتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

الصلوۃ عماد الدین فمن اقامھا فقد اقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین

ترجمہ:۔ نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا اس کا دین قائم ہے اور جس نے اسے ترک کیا اس کا دین گر گیا۔

بسم الرحمن الرحیم O

مقدمہ

دین اسلام میں نماز کو جو عظمت اور اہمیت حاصل ہے اور قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں جو اس کی روح وحقیقت بیان کی گئی ہے اور پھر اس فریضہ پر عمل پیرا ہونے پر جو نتائج وآثار کی بشارت سنائی گئی ہے ان سے اس پُر فتن دور میں شاذ ونادر ہی ایسے اللہ کے بندے ہیں جو کچھ باخبر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر نماز کی اہمیت اور عظمت کو ہم سمجھ جائیں اور اسے اہتمام کے ساتھ ادا کریں تو دنیا وآخرت کی کامیابی ہمارے قدم چومے مگر افسوس کہ آج ہم نے اس اہم فریضہ کو فراموش کر دیا ہے تو اس کے بدلہ میں ذلت وخواری ہماری دامن گیر ہوگئی۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

(اقبال)

ہم نے کس چیز کو چھوڑا ہے جو دین کا ستون ہے الصلوۃ عماد الدین (حدیث)

جو مؤمن کی معراج ہے۔ الصلوٰۃ معراج المؤمنین (حدیث)
ہم نے اس نماز کو چھوڑا جو ایمان کی علامت ہے۔ علم الایمان الصلوٰۃ (حدیث)

وہی نماز جو کفر و اسلام میں امتیاز کرنے والی ہے۔ بین العبد والکفر ترک الصلوٰۃ (حدیث) وہ نماز جو برائی اور بے حیائی کی جڑ کاٹنے والی ہے۔ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر وہ فریضہ جس کے متعلق رب العالمین نے تقریباً سات سو مرتبہ مختلف انداز سے ارشاد فرمایا اور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ایک ہزار ارشادات نماز کے بارے میں روایت کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ وصال کے وقت آپ نے جو وصیت فرمائی تھی ہم نے اس کو بھی فراموش کر دیا فرمایا۔ الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم. ''دیکھو نماز کو مضبوطی سے تھامے رہنا اور غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا''

آپ نے بار بار ارشاد فرمایا مگر آج ہم اس ذلیل دنیا میں منہمک ہو کر رب ذوالجلال کو بھول بیٹھے ہیں۔ اور یہ بھی بھول گئے کہ وہ ذاتِ رحیم و کریم ہونے کے ساتھ ساتھ جبار و قہار بھی ہے۔ جس نے شیطان علیہ العنہ کو صرف ایک سجدہ کے انکار پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردود کر دیا۔ اور ہم اسی رب کی ایک دن میں پانچ نمازیں نہ پڑھتے ہوئے تقریباً سات سو مرتبہ عملی طور پر نافرمانی کا ارتکاب اگر کریں تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ کیا ہم اس عمل سے خود غضبِ الٰہی کو دعوت نہیں دے رہے ہیں؟ کیا قرآن میں متعدد واقعات پہلی امتوں کے موجود نہیں ہیں جن کو نافرمانیوں کی سزا مختلف طریقوں سے دنیا ہی میں دی گئی۔ کسی پر پتھر برسے تو کسی پر آگ، کسی پر آندھیاں چلیں تو کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ کسی کی شکلیں مسخ کی گئیں تو کوئی بندر بنا دیئے گئے۔ اگر آج ہم اس رحمت اللعالمین کی رحمت کا صدقہ اس دنیا میں بڑے بڑے عذابوں سے محفوظ ہیں تو کیا کل قیامت میں بھی ہم سے باز پرس نہ ہوگی؟ ضرور ہوگی بلکہ حدیثِ پاک میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے بندوں کی نماز ہی کی جانچ پڑتال ہوگی۔ اگر نماز ٹھیک نکلی تو بندہ کامیاب اور بامراد ہوگا اور اگر

اس کی نمازیں خراب نکلیں تو نامراد اور خسارہ میں رہے گا اور دوسرے نیک عمل بھی کوئی کام نہ آئیں گے۔

مانا کہ آخرت کی فکر تو ہم کو اس وقت ہوتی ہے جب موت کا فرشتہ سامنے آموجود ہوتا ہے اور یا پھر قبر میں جبکہ حقیقت آنکھوں کے سامنے موجود کردی جاتی ہے۔ اے کاش! اس وقت سے پہلے ہم حقیقت نماز کو سمجھ جاتے کہ ہمارے آخرت کی کامیابی بھی اسی کے ساتھ وابستہ ہے اور دنیا کی کامیابی بھی۔ حدیثِ قدسی ہے۔ عبدی احفظ الصلوٰۃ احفظک عن المکارہ والبلیات۔ "اے بنی آدم! تو نماز کی حفاظت کر، میں تم کو تمام بلیات اور آفات سے بچالوں گا"۔ "ایک صحابی کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز کی حفاظت کر اور بچوں کو اس کا پابند کر خدا تم کو وہاں سے روزی دے گا جہاں سے وہم وگمان بھی نہیں ہوگا"۔ قرآن حکیم میں ہے کہ۔ "اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے"۔ اور متقی کی بڑی علامت نماز ہے۔ عزت کی زندگی کا میسر آنا بھی نماز کے ساتھ خاص ہے اور اطمینان، سُکھ اور چین بھی اسی نماز کے ساتھ وابستہ ہے۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے پیرومرشد شیخ کامل استاذ العلماء حضرت خواجہ زین الدین چشتی نظامی مدظلہ العالی کی زیر سرپرستی جمعیتِ فدایانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام اسی مقصد کے حصول کی ایک کڑی ہے کہ مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ رجوع الی اللہ کا شوق پیدا کیا جائے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعظمت کو عوام کے دلوں میں اُجاگر کیا جائے اور عقائد و مسائل کی پختگی کے لیے زیادہ سے زیادہ لٹریچر عوام تک پہنچایا جائے۔ الحمد للہ کہ میرے شیخ کامل کی اس سلسلہ میں ساتویں تصنیف "دعوت خیر الانام الیٰ اقامته عمود الاسلام" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

نوٹ: افادۂ عام کے لیے حضرت خواجہ زین الدین چشتی " کی اس تحریر کو یہاں پیش کیا جارہاہے تا کہ وابستگان، مریدین وعقیدت مند اپنے پیرومرشد کی احیائے نماز کی کاوشوں سے

آگاہ ہوں اور اس کو قائم کر کے اللہ اور اُس کے پیارے رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل کریں۔ اور اپنے پیرو مرشد کے قُرب اور فیض کے مستحق ٹھہریں۔ (مدیر)

وصلی الله علی خیر خلقه محمدو اله و اصحابه اجمعین عفی عنه

محمد زبیر چشتی

فصل اول

اہمیت نماز کے بیان میں

عن ابی عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله و ان محمدا عبده' ورسوله و اقام الصلوٰة و ایتاء الزکوٰة والحج وصوم رمضان (متفق علیہ، بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کا اقرار کرنا کہ (۱)۔ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں (۲)۔ نماز قائم کرنا (۳)۔ زکوٰۃ ادا کرنا (۴)۔ حج کرنا (۵)۔ رمضان کے روزے رکھنا۔

یہ پانچ چیزیں اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور ان پانچوں میں کلمہ شہادت کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اقامت الصلوٰۃ کو حاصل ہے۔ یہ وہ فریضہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تقریباً سات سو دفعہ ارشاد فرمایا ہے اور کم وبیش ایک ہزار احادیثِ مبارکہ نماز کے متعلق روایت کی گئی ہیں۔ یہ وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے۔ فرمایا نماز، میں نے عرض کیا اس کے بعد فرمایا کہ والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک، میں نے عرض کی اس کے بعد ارشاد ہوا جہاد۔

اسی حدیث سے علماء نے ایمان کے بعد نماز کو مقدم قرار دیا ہے۔ایک اور حدیث پاک میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔الصلوٰۃ خیر موضوع یعنی نماز بہترین عمل ہے (جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے)۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ارشاد فرمایا۔

وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا (القرآن)

اے میرے محبوب اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجیئے اور خود بھی اس کا اہتمام کرتے رہیئے۔اور سورۃ کوثر میں اپنے محبوب کو نماز کے متعلق ارشاد فرمایا۔**فصل لربک** (القرآن) پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیئے اور تمام امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ارشاد ہوتا ہے۔**اقیمو الصلوٰۃ والا تکون من المشرکین**۔یعنی نماز قائم کرو اور مشرک نہ بنو۔اس سے اندازہ لگایئے کہ نماز کتنا اہم فریضہ ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشا ہے۔**بین العبدو الکفر ترک الصلوٰۃ** (مسلم) ایمان اور کفر کے درمیان نماز ہی سے امتیاز ہے اور فرمایا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے:۔**لکل شیءٌ علم وعلم الایمان الصلوٰۃ**۔یعنی ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علامت (پہچان) ہوتی ہے اور ایمان کی علامت (یعنی پہچان) نماز ہے۔اور یہ بھی ارشاد ہے فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز دین کا ستون ہے۔جس نے نماز پڑھی۔اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے نماز چھوڑ دی اس نے دین کو ھدم کیا یعنی گرا دیا۔نماز کی اہمیت اور تاکید جس قدر قرآن پاک اور حدیث میں آئی ہے۔اس کا احاطہ کرنا تو ناممکن ہے۔عقل مند کے لیے تو اشارہ ہی کافی ہے۔اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ نماز مرتے دم تک کسی حال میں معاف نہیں۔یہاں تک اندازہ لگائیں کہ عین لڑائی کی حالت میں جب کہ دشمنوں کی طرف سے تیر اور نیزے برس رہے ہوں اس حالت میں بھی معاف نہ کی، حالانکہ نماز بھی اسی رب کی جس رب کے لیے جہاد کیا جا رہا ہے مگر پھر بھی نماز معاف نہ کی اور نماز بھی با جماعت پڑھنے کی تاکید برقرار رہی۔

ایک عقل سلیم رکھنے والا مسلمان تو اندازہ اس بات سے ہی لگا سکتا ہے کہ نماز کس قدر

اہمیت والا فریضہ ہے جسے آج مسلمانوں نے پسِ پشت ڈال دیا ہے اور اس فریضہ کو ترک کر دینا جتنا معمولی سمجھا جاتا ہے شاید ہی کسی اور گناہ کو اتنا حقیر سمجھا جاتا ہو۔ حالانکہ نماز کا چھوڑنا اکبرالکبائر میں سے ہے یعنی کبیرہ گناہوں میں سے بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ اے کاش! مسلمان نماز کی اہمیت کو جان لیتے۔

فصل دوئم

فضیلتِ نماز کے بیان میں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **ارأیتم لو ان نهرا بباب احد کم یغتسل فیه کل یوم خمس مرات هل بقی من درنه شیٔ قالو لا یبقیٰ من درنه شیٔ قال فکذ الک مثل الصلوٰة الخمس یمحو الله بهن الخطایا** (رواہ البخاری)

بتاؤ اگر کسی شخص کے دروازے پر ایک نہر جاری ہو جس میں وہ پانچ مرتبہ روزانہ غسل کرے تو اس کے بدن پر کوئی میل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی حال پانچ نمازوں کا ہے اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے گناہوں کو زائل کر دیتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں جن کو فرض کیا ہے اللہ تعالیٰ نے، پس جس شخص نے ان نمازوں کے لیے اچھی طرح وضو کیا اور ان کے وقت پر ان کو ادا کیا اور رکوع کو خوبی کے ساتھ ادا کیا اور حضورِ قلب کے ساتھ نماز پڑھی اس کے لیے خدا کا وعدہ ہے کہ بخش دے اس کو، اور جو ایسا نہ کرے اس کے لیے خدا کا وعدہ نہیں، چاہے اسے بخشے اور چاہے عذاب دے (ابوداؤد)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سردی کے موسم میں باہر تشریف لائے اور پتے درختوں پر سے گر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

درخت کی ٹہنی ہاتھ میں لی تو اس کے پتے اور بھی گرنے لگے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا
اے ابوذر!

ان العبد المسلم لیصلی الصلوٰۃ یرید بھا وجہ اللہ فتھا تت عنہ ذنوبہ
کما تھافت ھذا الورق عن ھذہ الشجرۃ (رواہ احمد)

مسلمان بندہ جب اخلاص سے اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی
گرتے ہیں جیسے یہ پتے اس درخت سے گر رہے ہیں۔

ابو مسلمؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوامامہؓ سے پوچھا کہ کیا تم نے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے اور پھر فرض نماز پڑھے تو حق تعالیٰ جل
شانہ اس دن اس کے وہ گناہ جو چلنے سے ہوئے ہوں اور وہ گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے کیا ہو اور
وہ گناہ جو اس کے کانوں سے سرزد ہوئے ہوں اور وہ گناہ جو اس نے آنکھوں سے کئے ہوں اور وہ
گناہ جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں سب کو معاف فرما دیتے ہیں۔ حضرت ابوامامہؓ نے
جواب دیا کہ میں نے یہ مضمون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار سنا ہے (احمد)

ابن ماجہ و بیہقی احمد و ابن حبان نے ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے
روایت کی ہے کہ ایک قبیلہ کے دو صحابی ایک ساتھ مسلمان ہوئے۔ ان میں سے ایک جہاد میں
شہید ہو گئے اور دوسرے کا ایک سال بعد وصال ہوا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ صاحب جن
کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا اس شہید سے بھی پہلے جنت میں داخل ہو گئے۔ مجھے تعجب ہوا کہ
شہید کا درجہ تو بہت اونچا ہے وہ پہلے جنت میں داخل ہوتے۔ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ
والہ وسلم سے عرض کیا، یا کسی اور صحابی نے عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الیس قد صام بعدہ رمضان وصلی ستۃ الافہ رکعۃ و کذا و کذا
رکعۃ صلوٰۃ سنۃ۔

کہ نہیں دیکھتے ان کی نیکیاں کتنی زیادہ ہو گئیں۔ ایک رمضان کے پورے روزے اور

چھ ہزار اور اتنی اتنی رکعتیں نماز کی ایک سال میں ان کی بڑھ گئیں۔

تقریباً چھ ہزار ایک سو بیس رکعتیں سال میں صرف فرض نمازوں کی جاتی ہیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ اور کس قدر وہ کل قیامت کے دن اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے جو فرائض کے علاوہ واجب، سنتیں اور نفل نمازیں بھی پوری پوری ادا کرتے ہیں۔ مگر "ایں سعادت بزور بازو نیست" جس کو اللہ توفیق دے۔ رب تعالیٰ سب مسلمانوں کو پکا اور سچا نمازی بنادے۔ آمین۔ بحرمتِ سید المرسلین و رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

فصل سوئم

نماز چھوڑنے پر وعید

جن و انس کی پیدائش عبادت کے لیے ہوئی ہے ہر چیز کو بنانے کے لیے ایک مقصد اور علتِ غائی ہوا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کی علتِ پیدائش جو بیان فرمائی ہے وہ ہے عبادت، ارشاد فرمایا۔

وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون (میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر عبادت کے لیے) اور تمام عبادات سے افضل ترین عبادت نماز ہے۔ اب جو مسلمان اس افضل ترین عبادت سے روگردانی کرے اور اپنی علتِ غائی کو فراموش کردے تو اس کے لیے رب تعالیٰ نے جو اپنے کلام پاک میں یا اس کے پیارے محبوب ﷺ نے وعیدیں سنائی ہیں ان میں سے صرف چند ایک عرض کروں گا۔ صاحبِ عقل کے لیے تو ایک آیت یا ایک حدیث بھی بس ہے اور جس کو عمل ہی نہ کرنا ہو تو اس کے لیے دفتر کے دفتر بھی بے کار ہیں۔ **عن عبداللہ بن عمر وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ ذکرا الصلوٰۃ یومافقال من حافظ علیہا کانت لہ نوراوبرھانا ونجاۃ یوم القیامۃ ومن لم یحافظ علیہا لم یکن لہ نورا ولا برھان ولا نجاۃ وکان یوم القیامۃ مع فرعون وھامان وابی بن خلف** (احمد بن حبان، طبرانی) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نماز کا ذکر

فرمایا کہ جو شخص نماز کا اہتمام کرے تو نماز اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگی۔ برھان ہوگی (یعنی حساب کے وقت حجت ہوگی) اور نجات کا ذریعہ ہوگی۔ اور جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرے تو ایسے شخص کے لیے نہ تو نماز قیامت کے دن نور ہوگی نہ حجت ہوگی اور نہ نجات کا سبب ہوگی اور اس کا حشر فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ (احمد بن حبان طبرانی)

ابنِ حجر رحمت اللہ علیہ نے ''کتاب الزواجر'' میں قارون کا بھی فرعون وغیرہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس حدیث میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خاص طور پر چار بڑے بڑے کافروں کا نام کیوں لیا۔ حالانکہ کافر تو اور بھی بہت تھے ابوجہل، ابولہب، ولید بن مغیرہ وغیرہ وغیرہ، حکمت اس میں یہ ہے کہ اکثر ان چار وجوہات کی بناء پر نماز میں سستی ہوتی ہے تو جن لوگوں نے حکومت اور سلطنت کی وجہ سے نماز میں سستی اور کاہلی کی تو ان کو آگاہ فرمادیا کہ حشر ان کا فرعون کے ساتھ ہوگا۔ اور اگر وزارت یا ملازمت یا اعلیٰ عہدے داری کی وجہ سے نماز میں کوتاہی کی تو تنبیہ فرمادی کہ ایسے لوگوں کا حشر ہامان کے ساتھ ہوگا (جو کہ فرعون کا وزیر تھا) اور اگر نماز میں غفلت دولت کی کثرت اور جاہ وحشمت کی وجہ سے ہوگی تو ایسے لوگوں کو متنبہ فرمادیا کہ ان کا حشر قارون کے ساتھ ہوگا اور اگر تجارت اور کاروبار کی وجہ سے نماز میں سستی کا ارتکاب ہوگا تو ایسی حالت میں ابی بن خلف کے ساتھ حشر ہونے کی اطلاع فرمائی۔ دنیا میں اکثریت ان چار ہی قسم کے لوگوں کی ہے۔ قربان جایئے۔ اللہ کے پیارے محبوب پر جنھوں نے ایک مختصر حدیث میں بڑے مؤثر انداز میں سب لوگوں کو آگاہ فرمادیا۔ پھر بھی ہم نہ سمجھیں تو ہماری بدقسمتی اور بدبختی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو نماز کی محافظت کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور مذکورہ بالا حشر سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔ یہ حشر ایسے کافروں کے ساتھ اسی وقت ہوگا جب ہم نے توبہ نہ کی اور اس سستی اور کاہلی میں موت نے آلیا اور محافظت کا مطلب یہ ہے کہ اہتمام کے ساتھ پانچ وقت باجماعت نماز ادا کرتا رہے اور اگر کبھی پڑھ لی، کبھی چھوڑ دی۔ یا صرف جمعہ کی پڑھ لی باقی کی پرواہ نہیں یا پھر سال کے بعد عیدین کی نماز ہی پر اکتفا کرلیا اور سال بھر کی نماز

کا پتہ نہیں۔ یہ نماز محافظت والی نماز نہیں کہلاتی بلکہ انتہا درجے کی سستی اور کاہلی کی نماز ہے۔ اور ایسی نماز پڑھنے والے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دیدہ دانستہ بلا عذر نماز چھوڑنے والے کی طرف حق تعالیٰ قیامت میں التفات نہ فرمائیں گے اور عذابِ الیم اس کو دیا جائے گا۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ نماز چھوڑنے والوں کو جہنم کی وادی لم لم میں عذاب دیا جائے گا جس میں ایسے سانپ ہیں جو گردن کے برابر موٹے ہیں اور جن کی لمبائی ایک مہینہ کی مسافت کے برابر ہے۔ ہاں اللہ معاف فرمادے تو وہ رحیم وکریم ہے مگر کوئی معافی چاہے بھی تو اللہ توفیق دے اور ہم سب کو عذابِ جہنم سے محفوظ فرمائے۔

عن عبادة بن الصامت قال او صانی خلیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبع خصال فقال لا تشر کو باللہ شیأ وان قطعتم او حرقتم او صلبتم ولا تتر کو الصلوٰة متعمدین فمن ترکھا متعمدا فقد خرج من الملة ولا ترکبو المعصیة فانھا سخط اللہ ولا تشربو الخمر فانھا راس الخطایا کلھا (الحدیث) حضرت عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں کی نصیحت فرمائی جن میں سے چار یہ ہیں کہ اللہ کا شریک کسی کو نہ بناؤ خواہ تمھارے ٹکڑے ٹکڑے ہی کردیے جائیں۔ یا تو تم جلا دیے جاؤ یا سولی چڑھا دیے جاؤ۔ دوسری (بات) یہ کہ جان کر نماز نہ چھوڑو۔ جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ مذہب سے نکل جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو اس سے حق تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں، چوتھی یہ کہ شراب نہ پیو کیونکہ یہ گناہوں کی جڑ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابودرداؓ سے بھی ایسا ہی مضمون روایت ہے۔ حضرت ابودرداؓ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب نے وصیت فرمائی کہ اللہ کا شریک کسی کو نہ کرنا خواہ تیرے ٹکڑے کردیے جائیں یا آگ میں جلا دیا جائے۔ دوسری یہ کہ نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑنا۔ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ بری الذمہ ہیں۔ تیسری شراب نہ پینا کہ ہر برائی کی

جڑ ہے۔

نماز چھوڑنے پر وعید:

نماز چھوڑ دینا تو بہت بڑی بات ہے۔ جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کے متعلق حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند جوانوں سے کہوں کہ لکڑیاں اکٹھی کر کے لائیں، پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بلا عذر گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جا کر ان کے گھروں کو جلادوں (مسلم) ایک روایت میں ہے کہ ایسا کر دیتا (یعنی مکانوں کو آگ لگا دیتا) مگر ان کی بیوی اور بچوں کا خیال آتا ہے۔ یعنی چونکہ ان کے بیوی اور بچوں پر جماعت میں آنا واجب نہیں ہے اس لیے ان کی وجہ سے یہ کام انجام نہ فرمایا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نماز باجماعت جان بوجھ کر چھوڑ دینے سے کس قدر دکھتا ہے کہ گھروں کو آگ لگانے کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دل چاہتا ہے۔ یاد رکھیں کہ آج بھی جو لوگ نماز باجماعت کو جان بوجھ کر ترک کر دیتے ہیں وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھاتے ہیں اور آپ ؐ کی روح کو بے چین کرتے ہیں اور ایسے لوگ خود بھی بے چین رہتے ہیں کیوں نہ ظاہری طور پر مطمئن نظر آتے ہوں کیونکہ سکھ اور چین تو صرف خدا کی یاد کے ساتھ خاص ہے۔ فرمایا " الابذکر الله تطمئن القلوب " خبردار اللہ کی یاد کے ساتھ دلوں کو چین ہے۔

اور یاد الٰہی کا سب سے بہترین طریقہ نماز باجماعت کی پابندی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ،واقیمو الصلوٰۃ لذکری۔ میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

حضرت عبداللہ بن شفیق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابی اعمال میں سے کسی عمل کے ترک کو کفر خیال نہیں کرتے تھے مگر نماز کو (یعنی نماز کو ترک کرنا ان کے نزدیک مؤجب کفر تھا)۔ ترمذی

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ عمداً (جان بوجھ کر نماز

چھوڑ دینے والا) کافر ہے۔

امام شافعیؒ تارک صلوٰۃ کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔ امام اعظم رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ کو جیل میں ڈالا جائے حتیٰ کہ توبہ کرلے یا گھٹ کر مرجائے۔

مختصر طور پر اس کتاب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ نماز کی اہمیت اللہ کے نزدیک، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کس قدر ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور روایۂ مجتہدین اسے کس قدر اہمیت دیتے ہیں۔ مسلمانوں سے درخواست ہے کہ اس پُرفتن دور میں نماز پر مضبوطی سے قائم ہوجائیں۔ ان شاء اللہ دنیا اور آخرت میں کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ مسلمانوں کی پستی کا اہم سبب نماز کی پابندی نہ کرنا ہے۔ آج جس طرف دیکھا جائے پریشانی، بدحالی، غربت وافلاس، بے چینی اور ابتری کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ اس کو وجوہات میں سے اہم ترین وجہ ترک صلوٰۃ ہے۔

اللہ رب العزت اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدکم ویعفو عن کثیرا O یعنی جو مصیبت تم پر آتی ہے تمھارے (برے) اعمال کے سبب آتی ہے اور بہت سی باتوں کو تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ہماری کوتاہیوں کے سبب بلائیں اور مصیبتیں ٹوٹتی ہیں اور سب گناہوں سے بڑا گناہ نماز کو جان بوجھ کر چھوڑ دینا ہے۔ تو لامحالہ اس گناہ کے سبب بلیات نازل ہوں گی۔

حدیث قدسی میں ہے۔

عبدی احفظ الصلوٰۃ احفظک عن المکارہ والبلیات (اے میرے بندے تو نماز کی حفاظت کر، میں تجھے آفات سے بچاؤں گا۔ سبحان اللہ کتنی بڑی بات ہے کہ حفاظتِ نماز پر تمام بلیات وآفات سے محفوظ رہنے کی گارنٹی اس رب العالمین کی طرف سے دی جارہی ہے۔ جو کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا مگر افسوس کہ آج ہم مادی قوتوں کو روحانی

توتوں پر ترجیح دینے لگ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے اور ہر مسلمان کو نماز کی پابندی کرنے اور دوسروں کو تلقین کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور خاص طور پر اراکینِ جمعیت فدایان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی فرمائش پر یہ کتابچہ لکھا گیا ہے ان سب کو پکا اور سچا نمازی بنائے اور اللہ تعالیٰ ان مجاہدین فی سبیل کو زیادہ سے زیادہ نصرتِ دینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ارکانِ نماز کا بیان

نماز کے وہ فرائض جو نماز کے اندر ہیں ان کو ارکان کہا جاتا ہے۔ وہ سات ہیں۔

۱۔ ''تکبیر تحریمہ'' یعنی اللہ اکبر کہنا۔

۲۔ ''قیام'' یعنی سیدھا کھڑا ہونا۔

۳۔ ''قرأت'' یعنی کم سے کم تین آیات چھوٹی یا ایک آیت بڑی پڑھنا۔

۴۔ رکوع کرنا۔

۵۔ سجدہ کرنا۔

۶۔ ''قعدہ آخیرہ'' یعنی بمقدار تشہد آخیر نماز میں بیٹھنا۔

۷۔ اپنے اختیار سے نماز سے باہر آنا۔

واجباتِ نماز کا بیان

مندرجہ ذیل واجباتِ نماز میں سے ہیں:۔

۱۔ فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لیے معین کرنا۔

۲۔ سورۃ فاتحہ، یعنی الحمد شریف کا پڑھنا۔

۳۔ الحمد شریف کا سورۃ سے پہلے پڑھنا۔

۴۔ الحمد شریف کا ہر رکعت میں ایک دفعہ پڑھنا۔

۵۔ فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور واجب اور سنتوں کی سب رکعتوں

میں سورۃ ملانا۔

۶۔ ترتیب رکعتوں اور درمیان سجدوں کے۔

۷۔ قومہ

۸۔ جلسہ

۹۔ تعدیل یعنی اعضاء کا ساکن کرنا مقدار سبحان اللہ کہنے کے (رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ میں)

۱۰۔ امام کو جہری نمازوں میں مثل فجر، مغرب، عشاء، جمعہ، عیدین، تراویح اور رمضان کے وِتر میں بلند آواز سے پڑھنا اور دوسری نمازوں میں مثل ظہر اور عصر کے آہستہ پڑھنا۔

۱۱۔ پہلا قعدہ کرنا یعنی تین یا چار رکعت والی نماز میں، اگرچہ نفل ہی پڑھ رہا ہو۔

۱۲۔ دونوں قعدوں میں التحیات پڑھنا۔

۱۳۔ لفظ ''اسلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کے ساتھ نماز سے نکلنا۔

۱۴۔ تکبیرِ قنوت۔

۱۵۔ قرأتِ قنوت

۱۶۔ تکبیراتِ عیدین۔

۱۷۔ مقتدی کا قرأت نہ کرنا، کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے۔

۱۸۔ مقتدی کو امام کی اتباع کرنا۔

۱۹۔ سجدۂ تلاوت کرنا (اگر آیتِ سجدہ تلاوت کی جائے)

نماز کی سنتوں کا بیان

نماز میں درج ذیل سنتیں ہیں۔

۱۔ دونوں ہاتھوں کا تکبیر تحریمہ کے لیے کانوں کی لَو تک تکبیر سے پہلے اُٹھانا۔

۲۔ تکبیر کے وقت اُنگلیوں کا قبلہ رُخ اور کشادہ رکھنا۔

۳۔ امام کو تکبیرات کا بلند آواز سے کہنا بمقدار اس کی حاجت کے اور مقتدی کا آہستہ کہنا۔

۴۔ ناف کے نیچے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر باندھنا۔

۵۔ ثناء یعنی ''سبحانک اللہ'' پڑھنا۔

۶۔ تعوذ یعنی ''اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم'' پڑھنا۔

۷۔ تسمیہ یعنی ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھنا۔

۸۔ فرض کی پچھلی دو رکعتوں میں صرف ''الحمد شریف الی آخرہ'' پڑھنا۔

۹۔ آمین کہنا۔

۱۰۔ ثناء، تعوذ، تسمیہ اور آمین کو آہستہ پڑھنا۔

۱۱۔ قرأت مسنون پڑھنا۔

۱۲۔ تکبیرات انتقالی یعنی رکوع وسجدہ وغیرہ کے لیے ''اللہ اکبر'' کہنا۔

۱۳۔ رکوع میں تسبیح ''سبحان ربی العظیم'' تین بار کہنا۔

۱۴۔ رکوع میں دونوں گھٹنوں کو ہاتھ کی کشادہ اُنگلیوں سے پکڑنا۔

۱۵۔ امام کو ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہنا اور مقتدی کو ''ربنا لک الحمد'' پڑھنا اور تنہا کو دونوں پڑھنا۔

۱۶۔ سجدوں میں دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنوں کا پیشانی سے پہلے رکھنا۔

۱۷۔ سجدوں میں تین تین بار ''سبحان ربی الاعلی'' پڑھنا۔

۱۸۔ جلسہ اور تشہد یعنی التحیات میں دایاں پاؤں کھڑا رکھنا اور بایاں پاؤں بچھانا اور اُنگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا۔

۱۹۔ ہر جلسہ اور ہر التحیات میں دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا۔

۲۰۔ درود شریف قعدہ آخیرہ میں پڑھنا۔

۲۱۔ قعدہ آخیرہ میں درود کے بعد دُعا پڑھنا۔

۲۲۔ سلام پھیرتے وقت منہ کا دائیں اور بائیں طرف پھیرنا۔

۲۳۔ السلام علیکم ورحمة الله کے الفاظ کے ساتھ سلام پھیرنا۔

مستحباتِ نماز کا بیان

نماز میں درجہ ذیل مستحبات ہیں:۔

۱۔ مرد کو تکبیر تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھ آستین سے باہر نکال لینا۔

۲۔ دونوں قدموں کے درمیان بقدر چار اُنگشت کے فاصلہ چھوڑنا۔

۳۔ تنہا کو رکوع اور سجدہ میں تین بار سے زیادہ تسبیح کہنا۔

۴۔ قیام کے وقت اپنی سجدہ گاہ اور رکوع میں دونوں پاؤں کی پیٹھ پر سجدہ میں ناک کے سرے پر اور التحیات میں اپنی گود پر اور پہلے سلام میں اپنے دائیں شانے پر اور دوسرے سلام میں بائیں شانے پر نظر رکھنا۔

۵۔ رکوع میں اُنگلیوں کا کشادہ رکھنا، سجدہ میں ملا ہوا رکھنا۔

۶۔ جمائی کے وقت منہ بند رکھنا۔

۷۔ جہاں تک ممکن ہو کھانسی والے کا کھانسی روک لینا۔

نماز کے مکروہات کا بیان

وہ چیزیں جن سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔وہ یہ ہیں:۔

۱۔ سدل یعنی کپڑے کے دونوں کونے آگے کی طرف چھوڑ دینا۔

۲۔ چادر وغیرہ کو داہنی بغل کے نیچے سے لیکر بائیں شانہ پر دونوں کنارے ڈالنا۔

۳۔ کپڑے کا اوپر اٹھانا اگرچہ مٹی میں بھرنے کے سبب سے ہو۔

۴۔ آستین یا دامن چڑھائے ہوئے نماز پڑھنا۔

۵۔ نمازی کا اپنے کپڑے، بدن یا داڑھی سے غیر مفید نماز کوئی فعل کرنا جس کو عبث کہتے ہیں۔

۶۔ ایسی چیز کا منہ میں رکھنا کہ جس سے قرأتِ مسنونہ ادا نہ کر سکے اور اگر ایسی چیز ہو جو قرأتِ مفروضہ کو مانع ہو تو وہ مفسدِ نماز ہے۔

۷۔ اُنگلیوں کو نماز میں چٹخانا، ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی اُنگلیوں میں ڈالنا، جس کو تشبیک کہتے ہیں۔

۸۔ نماز میں منہ پھیر کر اِدھر اُدھر دیکھنا۔

۹۔ نماز میں مثل کتے کے بیٹھنا یعنی دونوں سرین پر بیٹھنا اور دو زانوؤں کو کھڑا کر کے دونوں گھٹنے چھاتی سے لگا لینا یا دونوں پاؤں کھڑے کر کے ان کی ایڑیوں پر بیٹھنا اور مرد کا دونوں کلائیاں زمین پر رکھنا (حالتِ سجدہ میں)

۱۰۔ نمازی کا کسی آدمی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اسی طرح دوسرے آدمی کا بھی نمازی کی طرف منہ کر کے بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے۔

۱۱۔ اپنے ارادے سے قصداً جمائی لینا۔

۱۲۔ تنہا امام کا محراب کے اندر بلا عذر کھڑا ہونا۔

۱۳۔ نماز کا اس کپڑے کا پہننا کہ جس میں جاندار اشیا کی تصویریں ہوں۔

۱۴۔ چادر کو اس طرح لپیٹنا کہ کہیں سے ہاتھ باہر نہ نکلے۔

۱۵۔ عمامہ یا پگڑی کو اس طرح باندھنا کہ بیچ میں سے سر کھلا رہے۔

۱۶۔ کُرتہ یا قمیص کے ہوتے ہوئے صرف پاجامہ سے نماز پڑھنا۔

۱۷۔ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کا پڑھنا۔

مفسداتِ نماز کے بیان میں

وہ چیزیں جن کے کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔وہ یہ ہیں:۔

۱۔ کلام کرنا،عمداً ہو یا سہواً ہو۔

۲۔ سلام کا جواب قصداً ہو یا سہواً ہو۔

۳۔ چھینک کا جواب دینا۔

۴۔ بُری خبر کے جواب میں "انا للہ و انا الیہ راجعون" پڑھنا۔

۵۔ اچھی خبر پر الحمد للہ کہنا۔

۶۔ سوائے اپنے امام کے اور کسی کو لقمہ دینا۔

۷۔ قرآن شریف کا غلط پڑھنا۔

۸۔ جان کر یا بُھول کر کھانا پینا۔

۹۔ عملِ کثیر کرنا۔(نماز کے دوران نمازی کا ایسا عمل کہ جس کو دیکھ کر کوئی شخص یہ سمجھے کہ فلاں نماز نہیں پڑھ رہا)

۱۰۔ بلا عذر قبلہ کی طرف سے سینہ پھیرنا۔

۱۱۔ بالغ کا نماز میں ہنسنا۔

۱۲۔ نماز میں غیر نمازی کا کہنا ماننا۔

سجدہ سھوکے بیان میں

۱۔ نماز میں جو چیزیں واجب ہیں اس میں سے ایک واجب یا کئی واجب اگر بھولے سے رہ جائیں تو سجدہ سہو کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اس کے کر لینے سے نماز درست ہو جاتی ہے۔اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز پھر سے پڑھے۔

۲۔ اگر بھولے سے کوئی فرض نماز کا چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز درست نہ ہو گی پھر سے نماز پڑھے۔

۳۔ سجدہ سہو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آخر نماز میں التحیات پڑھ کر دائیں طرف سلام پھیر کر دو سجدے ادا کرے۔ پھر بیٹھ کر التحیات، درود پاک اور دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیرے اور نماز ختم کرے۔

۴۔ اگر بھولے سے دو رکوع کر لیے یا تین سجدے تو سجدہ سہو واجب ہے۔

۵۔ نماز میں الحمد پڑھنا بھول گیا فقط سورۃ پڑھی یا پہلے سورۃ پڑھی اور پھر الحمد پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہے۔

۶۔ فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ ملانا بھول گیا تو پچھلی دونوں رکعتوں میں سورۃ ملائے اور سجدہ سہو کرے اور پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورۃ نہیں ملائی تو پچھلی ایک رکعت میں سورۃ ملائے اور سجدہ سہو کرے اور اگر التحیات پڑھتے وقت یاد آیا کہ دونوں رکعتوں میں یا ایک رکعت میں سورۃ نہیں ملائی تب بھی سجدہ سہو کرے نماز ہو جائے گی۔

۷۔ سنت اور نفل کی سب رکعتوں میں سورۃ کا ملانا واجب ہے اگر کسی رکعت میں سورۃ ملانا بھول گیا تو سجدہ سہو کرے۔

۸۔ تین رکعت یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعت کے بعد التحیات پر بیٹھنا بھول گیا اور دو رکعت کے بعد تیسری رکعت پر کھڑا ہو گیا تو اگر نیچے کا آدھا دھڑ، ابھی سیدھا نہ ہوا ہو تو بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر کھڑا ہوا اور ایسی حالت میں سجدہ سہو کرنا واجب نہیں ہے اور اگر نیچے کا آدھا دھڑ سیدھا ہو گیا ہو تو نہ بیٹھے بلکہ کھڑا ہو کر چاروں رکعتیں پڑھ لے فقط آخیر میں تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھے اور اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اگر سیدھا کھڑا ہونے کے بعد پھر لوٹ آئے گا اور بیٹھ کر التحیات پڑھے گا تو گنہگار ہوگا اور سجدہ سہو کرنا اب بھی واجب ہوگا۔

۹۔ اگر چوتھی رکعت پر بیٹھا اور التحیات پڑھ کر کھڑا ہو گیا تو سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آئے، بیٹھ جائے اور التحیات نہ پڑھے بلکہ سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے اور التحیات پوری کرے۔ درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔ اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا تو ایک رکعت اور ملا کر چھ کر لے چار فرض ہو گئیں اور دو نفل اور چھٹی رکعت کے بعد سجدہ سہو کرے اور التحیات پوری کرے۔ درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔ اگر پانچویں رکعت پر سلام پھیر دیا اور سجدہ سہو کر لیا تو اچھا نہ کیا چار فرض ہوئے اور ایک رکعت اکارت گئی۔

سوالات وجوابات

سوال:۔ ایک شخص الحمد شریف کو بھول کر دوبارہ پڑھ جائے تو سجدہ سہو کرے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر اس شخص کو یہ سہو چار رکعت فرض کے پہلے دوگانہ میں ہوا ہے تو سجد سہو کرے اس لیے کہ پہلے دوگانہ میں الحمد شریف کا ایک دفعہ پڑھنا جو واجب تھا وہ ترک ہو گیا اور اگر دوسرے دوگانہ میں ہوا تو سجدہ سہو نہ کرے۔

سوال؛ اگر کوئی الحمد شریف کا کچھ حصہ پڑھ کر دوبارہ پڑھے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر نصف سے زیادہ الحمد شریف پڑھ کر پھر دوبارہ پڑھنے کے لیے لوٹا ہے تو سجدہ سہو کرے اور اگر تھوڑی الحمد شریف پڑھ کر دوبارہ پڑھے تو سجدہ سہو نہ کرے۔

سوال:۔ پچھلے دوگانہ میں فرضوں کے اگر الحمد کے ساتھ سورۃ ملائی جائے تو

سجدہ سہو کرے یا نہیں؟

جواب:۔ اس صورت میں سجدہ سہو نہ کرے۔

سوال:۔ اگر کوئی قیام میں تشہد سہواً پڑھ لے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر یہ قیام فرض نمازوں کا ہے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ تشہد پہلے دوگانہ (دو رکعت نماز) میں پڑھا یا پچھلے دوگانہ میں اگر پہلے دوگانہ میں پڑھا تو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ الحمد شریف سے پہلے پڑھا یا پیچھے۔ اگر پہلے پڑھا ہے تو سجدہ سہو نہیں اگر بعد الحمد شریف کے پڑھا تو سجدہ سہو کرے اس لیے کہ الحمد شریف کے بعد محل ہے اس شے کے پڑھنے کا جو واجب ہے، تو تاخیر واجب سے سجدہ سہو لازم ہوا۔ اور اگر فرض نمازوں کے پچھلے دوگانہ میں پڑھا تو سجدہ سہو واجب نہیں۔ اگر یہ قیام وتر یا نفل نمازوں کا ہے تو سب رکعتوں کے لیے وہی حکم ہے جو کہ فرض نمازوں کے پہلے دوگانہ کے لیے ہے۔

سوال:۔ اگر قعدہ اولیٰ کو بھول کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو کیا کرے؟

جواب:۔ اگر قریب بیٹھنے کے ہے اور یاد آجائے تو وجوباً بیٹھ جائے اس صورت میں سجدہ سہو نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر کوئی قعدہ آخیرہ کو بھول کر پانچویں رکعت کو کھڑا ہو جائے تو کیا کرے؟

جواب:۔ جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو اس وقت تک قعدہ آخیرہ کی طرف عود کرے اور تشہد پڑھ کر سجدہ سہو کرے۔ نماز درست ہو جائے گی۔

سوال:۔ اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا ہے تو کیا کرے؟

جواب:۔ ایک رکعت اور ملالے تاکہ چھ رکعت نفل ہو جائیں اور آخیر میں سجدہ سہو کرے، اس صورت میں فرض بسبب ترک قعدہ آخیرہ جاتے رہے۔ لہذا نماز دوبارہ پڑھے گا۔

سوال:۔ اگر کوئی قعدہ آخیرہ کرنے کے بعد پھر سہواً کھڑا ہو گیا پانچویں رکعت کے لیے تو پھر کیا کرے؟

جواب:۔ اس صورت میں بھی جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو لوٹ کر سجدہ کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا ہے تو ایک رکعت اور ملائے اور سجدہ سہو کرے اس طرح چار فرض ہو جائیں گے اور دو نفل اور اگر چھٹی رکعت نہ ملائے گا بلکہ پانچویں پر سلام پھیر دے گا تو چار رکعت فرض ہو جائیں گے اور ایک رکعت باطل ہوگی سجدہ سہو ہر طرح کرنا پڑے گا۔

سوال:۔ مقتدی سے کوئی واجب ترک ہو جائے تو سجدہ سہو کرے یا نہیں؟

جواب:۔ مقتدی اپنے ترک واجب سے سجدہ سہو نہ کرے کیونکہ مقتدی پر سجدہ سہو نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر امام ان نمازوں میں جن میں جہری یعنی بلند آواز سے قرأت پڑھنا واجب ہے آہستہ پڑھ لے تو کیا امام پر سجدہ سہو واجب ہے؟

جواب:۔ ضرور کرے گا کیونکہ واجب کے ترک سے سجدہ سہو لازم آتا ہے۔

سوال:۔ اگر امام جہری نمازوں میں پوشیدہ پڑھنا شروع کردے اور کچھ دیر بعد پکار کر پڑھنا شروع کرے تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر امام نے جہری نماز میں اس قدر اخفی کرلیا یعنی پوشیدہ پڑھ لیا جس

قدر کہ قرأت کی کم سے کم مقدار فرض ہے۔ یعنی اگر تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت کی مقدار اخفی کیا یا اس سے زیادہ تو سجدہ سہو لازم ہے ورنہ نہیں اور اسی طرح سری نماز میں قرأت جہراً اگر شروع کر دی اور بمقدار فرض قرأت کے پڑھ لیا یا اس سے زیادہ اور پھر اخفی کیا تو سجدہ سہو لازم ہے اور اس سے کم مقدار کے پڑھنے پر سجدہ سہو نہیں ہے۔

سوال:۔ مسبوق کو اگر اپنی بقیہ نماز کی ادائیگی کے دوران سہو ہو جائے تو سجدہ سہو کرے یا نہیں؟

جواب:۔ مسبوق کی بقیہ نماز مثل منفرد کے ہے اگر بقیہ نماز میں امام سے الگ ہونے کے بعد سہو ہوا ہے تو ضرور سجدہ سہو کرے اور اگر امام کے ساتھ ہوا ہے تو ہر حال میں امام کی اتباع کرے۔

سوال:۔ مسبوق کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ جو، ایک رکعت یا ایک سے زیادہ ہو چکنے کے بعد جماعت میں شریک ہوا ہو۔

سوال:۔ مسبوق نے امام کی اقتدا دوسرے سجدہ سہو کے اندر کی، پہلا سجدہ امام کر چکا۔ اب مسبوق وہ پہلا سجدہ کس وقت ادا کرے۔

جواب:۔ کسی وقت بھی ادا نہ کرے اس طرح اگر دونوں سجدہ سہو کے بعد اقتدا کی تب بھی کچھ نہ کرے۔

سوال:۔ لاحق سے سہو ہو جائے تو وہ بھی سجدہ سہو کرے یا نہیں؟

جواب:۔ نہ کرے، اس لئے کہ لاحق امام کی پیروی میں مثل مقتدی کے ہے۔

سوال:۔ لاحق کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ جسے جماعت کے ساتھ شریک ہونے کے بعد ایک یا کئی رکعتیں نہ ملی

ہوں جیسے کوئی امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہوا لیکن قعدہ میں بیٹھے بیٹھے سو گیا اور اتنی دیر سوتا رہا کہ امام نے ایک یا دو رکعتیں پڑھا دیں۔

سوال:۔ اگر لاحق کے امام نے اپنے سہو سے سجدہ کیا تو لاحق کیا کرے؟

جواب:۔ امام کے سہو سے لاحق پر بھی سجدہ واجب ہے۔ اب لاحق آخر میں نماز کے سجدہ سہو کرے جیسے اس کے امام نے آخر میں کیا ہے۔

سوال:۔ امام مسافر ہے اور مقتدی مقیم، امام کو سہو ہوا تو مقتدی امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے یا نہیں؟

جواب:۔ مقتدی امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے گا۔

سوال:۔ امام کو سہو ہونے کے بعد حدث ہوا تو امام نے اپنا خلیفہ مسبوق کو بنایا، اب مسبوق امام کے سجدہ سہو کو کیسے ادا کرے؟

جواب:۔ مسبوق سلام کے لیے کسی مدرک کو آگے بڑھا دے تا کہ وہ سجدہ سہو قوم کو ادا کرا دے اور اگر کوئی مدرک مقتدی نہیں ہے تو مقتدی اپنی بقیہ نماز ادا کرنے کے بعد علیحدہ علیحدہ سجدہ سہو ادا کریں جو کہ امام کے سہو سے مقتدیوں پر واجب ہوا ہے۔

سوال:۔ مدرک کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ جسے امام کے ساتھ پوری نماز مل گئی ہو خواہ شروع سے یا پہلی رکعت کے رکوع میں شریک ہوا ہو۔

سوال:۔ اگر امام سہواً پانچویں رکعت کو بعد قعدہ آخیرہ کر لینے کے کھڑا ہو جائے تو مقتدیوں کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب:۔ پہلے تو مقتدی امام کو اطلاع کریں تا کہ امام واپس لوٹ آئے اگر امام واپس نہ لوٹے تو مقتدی پانچویں رکعت کے سجدہ تک امام کا انتظار

کریں اور اگر امام سجدہ سے پہلے عود کر آئے تو مقتدی بھی ساتھ ہی امام کے سلام پھیریں ورنہ مقتدیوں پر اب متابعت امام کی فرض نہیں ہے۔ سب سلام پھیر کر علیحدہ ہو جائیں۔

سوال:۔ اگر امام پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرے اور مقتدی بھی متابعت کرتے رہیں تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ایسی صورت میں متابعت فرض تو نہیں ہے مگر مقتدی اقتدأ کریں تو بھی درست ہے اگر امام نے پانچویں رکعت کے ساتھ ایک اور ملالی تو جس طرح امام کی چار رکعتیں فرض اور دو نفل ہوئیں اسی طرح مقتدی کے لیے ہے لیکن اگر امام نے پانچویں رکعت پڑھ کر نماز کو قطع کر دیا۔ بعد سجدہ سہو کے تو امام کی چار رکعتیں فرض ہوئیں اور ایک اکارت گئی اور امام پر دو رکعت کی قضاء لازم نہیں مگر مقتدی پر قضا لازم ہوگی۔

سوال:۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ امام پر تو قطع سے دو رکعتوں کی قضا واجب نہیں اور مقتدیوں پر قضاء پر لازم ہے؟

جواب:۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام سے یہ دو رکعت نفل بلا قصد شروع ہوئی تھی اور مقتدیوں سے قصداً اس لیے مقتدیوں پر قضا واجب ہے۔

سوال:۔ اگر امام بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور مقتدی بھی اس کے ساتھ سہواً کھڑے ہو گئے پھر امام کو رکوع کرنے کے بعد سجدہ سے پہلے یاد آ گیا اور امام قعدہ کی طرف عود کر آیا مگر مقتدیوں نے بعد سجدہ کے عود کیا تو اب ان مقتدیوں کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

جواب:۔ اگر مقتدیوں کو امام کا لوٹ کر بیٹھنا معلوم نہیں ہوا تھا تب تو مقتدیوں

کی نماز صحیح ہے کیونکہ یہ زیادتی سجدہ کی سہواً ہوئی ہے اور مقتدی کی سہواً ایک رکن کی زیادتی اپنے امام کے خلاف مفسد نماز نہیں ہے۔ ہاں اگر امام نے رکوع سے پہلے قعدہ کی طرف عود کیا اور مقتدی رکوع اور سجدہ دونوں کر کے لوٹے تو رکعت کی زیادتی کی وجہ سے نماز ٹوٹ جائے گی۔

سوال:۔ ایک مسافر کو دو رکعت کے اندر سہو ہوا۔ پھر اس نے سجدہ سہو کر لیا اور سجدہ سہو کے بعد مقیم ہونے کی نیت کر لی تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔ وہ سجدہ سہو دوبارہ کرے گا کیونکہ وہ سجدہ مقیم ہونے کی وجہ سے اب درمیان میں آ گیا اور سجدہ سہو آخر رکعت کے بعد لازم ہے لہذا پہلا سجدہ غیر معتبر ہوا۔

سوال:۔ اگر کسی کو سجدہ سہو کے اندر پھر سہو ہوا ہو تو پھر اب سجدہ سہو کرے یا نہیں؟

جواب:۔ اب نہ کرے اس لیے کہ سجدہ سہو ہو جانے کے بعد پھر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

سوال:۔ اگر سلام کے پیچھے شک ہوا تو کیا کرے؟

جواب:۔ کچھ بھی نہ کرے اس وقت جواز نماز ہی حکم دیا جائے گا۔

سوال:۔ کسی وقت کسی نماز کے پڑھنے نہ پڑھنے کا شک ہوا تو کیا کرے؟

جواب:۔ اگر نماز کا وقت باقی ہے تو پھر ادا کرے، ورنہ کوئی چیز اس پر واجب نہیں۔

سوال:۔ اگر کسی کو بعد دونوں سلام کے یاد آئے کہ تیرے ذمہ سجدہ سہو باقی ہے تو کیا پھر سجدہ سہو کر سکتا ہے؟

جواب:۔ بموجب ایک قول کے جب تک قبلہ سے منہ نہ پھیرے یا کلام نہ کرے اس وقت تک سجدہ سہو کر سکتا ہے اور ایک قول کے مطابق نہیں کر سکتا پھر سے پڑھے۔

سوال:۔ نمازی بھولے سے اگر دو رکعت پر سلام پھیر دے اس وہم سے کہ چار رکعت ہو گئیں تو کیا کرے؟

جواب: اسی وقت کھڑا ہو جائے اور چار رکعت پوری کرلے بشرطیکہ سلام پھیرنے کے بعد کلام نہ کیا ہو اور منہ بھی قبلہ سے نہ پھیرا ہو اور آخیر میں بوجہ تاخیر فرض کے سجدہ سہو کرے۔ اسی طرح اگر مسبوق امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیر دے تو وہ اس سلام سے نماز سے خارج نہ ہوگا اور نہ مسبوق پر سجدہ لازم ہوگا۔

سوال:۔ اگر وتر نماز میں سہو ہوا کہ پہلی رکعت ہے یا دوسری یا تیسری رکعت تو کیا کرے؟

جواب:۔ سب رکعتوں پر دعائے قنوت پڑھے اور ہر رکعت کے بعد قعدہ کرتا رہے۔ آخر میں سہو کا سجدہ کرے نماز ہو جائے گی۔

سوال:۔ ایک شخص کسی رکن کے کرنے یا نہ کرنے کو بہت دیر تک سوچتا رہا، پھر یقین حاصل ہو گیا تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر سوچنے کا وقت بمقدار تین تسبیح پڑھنے کے گزر گیا تو سجدہ سہو لازم ہے ورنہ نہیں۔

سوال:۔ اگر کسی نماز کے اندر شک ہوا کہ بے وضو ہے تو کیا کرے؟

جواب:۔ نماز ادا کرتا رہے شک سے نماز نہ توڑے، ہاں اگر یقین ہو اور یقین ہونے کی حالت میں کوئی رکن ادا کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور سخت

گنہگار ہوگا۔ اگرچہ تھوڑی دیر بعد پھر یقین طہارت کا حاصل ہوجائے اور اگر عادت شک کرنے کی نہیں ہے تو نماز از سرنو پڑھے

سوال:۔ اگر بعد نماز کے کوئی خبر دے کہ تونے چار کے بجائے تین پڑھی ہیں پانچ، یا دو کی جگہ تین پڑھی ہیں یا چار تو اب اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

جواب:۔ احتیاط کے طور پر پھر پڑھ لے اگرچہ اپنی رائے میں اس کو غلط ہی سمجھتا ہو۔

سوال:۔ اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان اختلاف ہو تو کیا کرنا چاہیئے؟

جواب:۔ اگر امام کو یقین ہے تو اعادہ نماز کا نہ کرے اور مقتدی اعادہ کریں اس لیے کہ مقتدیوں کے گمان میں نماز فاسد ہے۔

سوال:۔ کیا عیدین کی تکبیرات میں زیادتی اور کمی اور ترک سے سجدہ سہو آتا ہے؟

جواب:۔ ہاں سب سے لازم آتا ہے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اگر کسی ایسے مسئلہ کی ضرورت درپیش ہو جو اس مختصر سے کتابچہ میں آپ کو نہ ملے تو فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیے۔ یا پھر اپنے قریبی عالم صحیح العقیدہ (اہلسنت والجماعت) سے پوچھ کر عمل کریں۔ مسائل کا جاننا بہت ہی ضروری ہے۔

بعض اوقات مسائل نہ جاننے کی وجہ سے آدمی سمجھتا ہے کہ میں نے نماز پڑھ لی مگر حقیقت میں اس کی نماز صحیح ادا نہیں ہوئی اور اس کی محنت اکارت گئی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پکا اور سچا نمازی بنائے اور جمعیتِ فدایانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اراکین کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے نیک مقاصد میں کامیاب کرے جن کی درخواست پر یہ کتابچہ سپردقلم کیا گیا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ دعاؤں میں ہرگز نہ بھولیں۔

بعد نماز پڑھے جانیوالے چند مفید اذکار

۱۔ جب سلام پھیرے تو کم از کم ایک بار یہ کلمہ توحید پڑھے۔ لا الـه الا اللـه وحده لاشریک له له الملک وله الحمد وھو علی کل شئ قدیرO

۲۔ پیشانی یعنی سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ رکھ کر پڑھے، بسم اللـه الذی لا الہ الاھو الرحمن الرحیم ،اللھم اذھب عنی اللھم والحزن اور ہاتھ کھینچ کر ماتھے تک لائے۔

۳۔ تین بار استغفر الله کہے اور کم از کم دس بار درود شریف پڑھے۔

۴۔ ہر نماز کے بعد 33 مرتبہ سبحان الله 33 مرتبہ الحمد لله 33 الله اکبر پڑھے یہ کل 99 ہوئے اور ایک بار لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیرO پڑھ کر 100 پورا کرے یا 33 سبحان الله 33 بار الحمد لله اور 34 بار الله اکبر پڑھ لے۔

۵۔ ایک بار آیۃ الکرسی ہر نماز کے بعد پڑھے، اس شخص کے جنت میں داخل ہونے میں اس کے سوا کوئی رکاوٹ نہیں کہ وہ ابھی مرا نہیں (یعنی مرتے ہی وہ شخص جنت میں داخل ہوگا) ایک حدیث میں ہے کہ نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ لینے والا دوسری نماز تک اللہ کی حفاظت میں رہتا ہے۔ اس کے علاوہ جو دعائیں و اذکار یاد ہوں حسب معمول پڑھے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ اصحابہ اجمعین

☆☆☆

نغمہ عرفان:

ابد کے طاق پہ رکھے ہوئے چراغ

_____ عبدالعزیز ساحر

بدن کی خانقاہوں میں ریاضت کے کئی موسم
سرِ شاخِ تمنا جب مہکتے ہیں دُعا بن کر
تو اُن کی باس رنگوں کی اَنا کے زاویے تبدیل کرتی ہے
نئی تشکیل کرتی ہے

نئی تشکیل کرتی ہے اک ایسے خیمۂ جاں کی
جہاں بھیگی ہوئی راتیں صحیفے لے کے اُتری ہوں
جہاں خوشبو عقیدت سے نئے منظر بناتی ہو
جہاں موسم وجودِ ذات کا اثبات کرتے ہوں
جہاں کثرت کے پردوں میں بس اِک منظر اُبھرتا ہو
وہی منظر حقیقت ہے

وہی منظر مدینہ ہے
مدینہ اِک حقیقت ہے
مدینہ نور و نکہت کا خزینہ ہے
مدینہ رحمۃ للعالمینی کی علامت ہے
مدینہ روشنی اور چاندنی کا استعارہ ہے

مدینہ آسماں ہے ایسی دھرتی کا، جسے دُنیا ازل سے آسماں کا نام دیتی آ رہی ہے
اور ہنوز اِس وہم میں گُم ہے
مدینہ ایسی بستی ہے کہ جس کے سامنے سارے زمانے ہاتھ باندھے سرنگوں ہیں
اس دیارِ نور کے آگے یہ ساتوں آسماں اپنی غُلامی کے مقر ہیں
اور اسی شہرِ تمنا کا طوافِ جاوداں ان کا مقدر ہو گیا ہے
یہ فصیلِ وقت سے آگے نکل کر، واژگوں صورت بنا کر اب سلامی دے رہے ہیں
آسماں کے اُس طرف آباد بستی کے مکیں اِس شہر اور اِس شہر والے کی زیارت کرنے
آتے ہیں
اَبد آباد تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا اب

مدینہ ایسی بستی ہے
جہاں خوشبو، صبا اور روشنی رُک رُک کے چلتی ہے عجب حُسنِ عقیدت سے
جہاں خوشبو: خیال و خواب کے رنگوں کی تجسیم میں ردا کو اوڑھ لیتی ہے
وہ خاموشی سے اس شہرِ تمنا کے گلی کوچوں میں پھرتی ہے
زیارت کرنے آتی ہے
زمیں ہو، آسماں ہو، یا ہوا ہو، یا کہانی ہو
کہانی کی طلسماتی فضا ہو، یا سفر ہو، یا سفر کے موسموں کی خوش گمانی ہو
وہ خوشبو ہو کہ خوشبو کی کہانی ہو
وہ جو کچھ ہو محبت کی زبانی ہو
مدینے کی فضا اس کو سدا آباد رکھتی ہے
ہمیشہ شاد رکھتی ہے

وہ خوشبو جب مدینے سے نجف آئی، تو اس شہرِ محبت میں
عقیدت اوڑھ کر رقصاں رہی برسوں
مدینے سے نجف آنے کا منظر ______ ایک منظر تھا
وہ منظر آسماں کی آنکھ نے محفوظ کر رکھا ہے
اور اب تک اِسی منظر کو دامن میں سمو لینے پہ نازاں ہے
بصیرت اور بصارت جو کہ چشمِ آسماں میں اب تلک باقی ہے
وہ ایسے مناظر کی بقا کے رنگ اور خوشبو سے زندہ ہے
وہ منظر ایسا منظر تھا
کہ اس جیسا کوئی منظر ازل کے روز سے لے کر فلک کی
چشمِ خوش آثار نے اب تک نہیں دیکھا
علی مشکل کشا اس شہرِ خوش آثار کی مٹی میں خوشبو، بو رہے تھے
تا ابد آباد وہ سارے زمانے اس کی خوشبو سے مہک اُٹھیں
وہ منظر ایسا منظر تھا
جسے چشمِ فلک نے اب تلک دیکھا نہیں تھا
اور جو وہ دیکھا، تو پھر اس کو کسی منظر ______
کسی منظر کے خوش آثار لمحوں کو سمونے کی کوئی حسرت؛ کوئی خواہش نہیں تھی
اور اگر کچھ تھی تو بس اتنی تمنا تھی کہ وہ منظر، وہ خوش آثار منظر اس کی آنکھوں کے طلسماتی
جہاں میں تا ابد باقی ہی رہ جائیں

وہ خوشبو جو مدینے سے نجف آئی
کہانی اوڑھ لی اس نے

کہانی جو محبت ہے

محبت جو کہانی ہے

کہانی جو کہ خوشبو ہے

وہ خوشبو جو کہانی ہے

کہانی جو نجف کے چاک پر دستِ ہنرور کی کرامت کا عجب منظر بناتی ہے

مدینے آتی جاتی ہے

وہ خوشبو جو مدینے سے نجف کے راستے بصرے میں پہنچی تھی،

حسن بصری کے آنگن کے کسی گوشے میں تنہائی کی

صورت اوڑھ کر حُسنِ عقیدت کے عجب منظر کی تخلیقی فضا میں ڈھل گئی تھی وہ

وہ خوشبو اِک کہانی لکھ رہی تھی

اس کہانی کے سبھی منظر مدینے شہر کے رنگوں کی خوشبو کا سراپا اوڑھ کر حُسنِ تمنا کی نئی تعبیر

لکھتے جا رہے تھے

ایک ایسے موسمِ جاں میں

وہ موسم سبز گنبد کے مکیں کی مہربانی کی علامت تھا

وہ موسم استعارہ تھا سفر کی اُس کہانی کا

کہانی جو سفر کے استعارے سے مزین تھی

وہ خوشبو تھی، سفر تھا، یا کہانی تھی

وہ اپنے سارے رنگوں میں محبت کی نشانی تھی

وہ خوشبو جو مدینے سے محبت اوڑھ کر شہرِ نجف کے راستے بصرے میں پہنچی تھی

وہاں سے شام ہوتی، خواجگانِ چشت کی بستی کے سارے

موسموں کے خواب میں تحلیل ہو کر جب دیارِ خواجہ اجمیر
آئی تھی، تو خاموشی کے حجرے میں مراقب ہو گئی تھی وہ
وہ خوشبو موسموں کے اَن گنت رنگوں میں گھل مل کر
کرامت کا لبادہ اوڑھ کر بیٹھی ہوئی تھی اور زمانے ہاتھ باندھے اُس کے آگے دھیان کے
موسم میں گم تھے
اور کہانی اک نئے اسلوب میں ڈھل کر
ابد کے طاق پر رکھے دیے کو آگہی کے نور سے ایسا
بڑھاوا دے رہی تھی، جو خیال و خواب اور اس کی
طلسماتی فضا کا استعارہ تھے
کہانی اپنے پس منظر کا ایسا پیش نامہ لکھ رہی تھی جو کہ دہلی کی طرف
محوِ سفر تھا
اس سفر میں اب کہانی اِک نئی دنیا کے سارے موسموں کو اپنی آغوشِ محبت میں سمو لینے
پہ قادر تھی
نئی دنیا کے آنگن میں فریدالدین کے مُرشد کا حجرہ تھا
اور اس حجرے میں وہ محفل بپا تھی، جس میں احمد جام کے مصرعے
شرارے بن کے اُڑتے تھے عجب ذوقِ محبت سے
وہ ایسی آگ تھی، جس آگ میں جل کر حیاتِ جاوِداں میں ڈھل گیا تھا وہ
وہ قطب الدین تھا
دہلی کی رونق اُس سے قائم تھی
وہ دِل کا استعارہ تھا
کہانی کے مناظر جو کہ دِل کے استعارے کی زمیں میں

کھل رہے تھے، یا کہ دِل کا استعارہ اس کہانی کے
مناظر اوڑھ کر چُپ چاپ بیٹھا تھا
وہ خوشبو تھا
کہانی تھا
صبا کردار تھا
کیا تھا؟
وہ قطب الدین تھا
دہلی کی رونق اُس سے قائم تھی
وہ دل کا استعارہ تھا
جو خوشبو اوڑھ کر دہلی سے ہانسی اور اجودھن کی طرف
پرواز کرتا جا رہا تھا

اجودھن شہر تھا
شہرِ اجودھن کے گلی کوچوں میں خوشبو رقص کرتی پھر رہی تھی اور
فصیلِ شہر کے باہر ہوا حسنِ معانی کی ردائیں اوڑھ کر چُپ چاپ بیٹھی تھی
خُدا جانے کہ کتنے فاصلوں سے پابرہنہ ہو کے اِک کچے سے
حجرے کی زیارت کرنے آئی تھی
اور اس کچے سے حجرے میں فرید الدین تھے
مجلس بپا تھی
اور زمانہ ہاتھ باندھے اس کے چہرے کی زیارت میں مگن تھا
اور نظام الدین اس کی چاکری میں ایستادہ تھے

حریمِ ذات کی خوشبو خیالِ حُسن کے رنگوں کی آمیزش سے
اِک ایسے نئے سُر تال کی بنیاد رکھتی جا رہی تھی جس میں سارے موسموں کی باس شامل تھی
وہ موسم جو کہ اس حجرے کی خوشبو میں مراقب ہو کے برگ و بار لائے تھے

وہ اِک چھوٹی سی بستی تھی
مگر پھیلاؤ میں اس کے زمانے آ گئے ہیں اور وہ بستی اب
محبت کی علامت ہے

وہ دہلی شہر جو شاہوں کا مسکن تھا
وہ جس کے سب گلی کوچے بقولِ میر: 'اوراقِ مصور تھے'
وہ اس کے گرد رقصاں تھا

اجودھن شہر تھا
شہرِ اجودھن میں فریدالدین تھے اور اِک کچا سا حجرہ تھا
جہاں حسنِ ازل کے موسمِ بے رنگ کے منظر اُترتے تھے
جہاں رنگوں کی بارش تھی
وہ حجرہ نور سے معمور تھا
اس میں فریدالدین کی خوشبو خیال و خواب کے منظر بناتی تھی بجلی اِحساس کے رنگوں
سے اور کومل سے جذبوں سے!

اجودھن شہر تھا

شہرِ اجودھن میں زمانہ رقص کرتا پھر رہا تھا
اور اس کو رقص کرتے اک زمانہ ہوگیا اب تک!

اجودھن ہے
اجودھن میں فریدالدین کا روضہ ہے
اور روضے میں بابِ امن ہے
اس باب کی دہلیز پر سارا تھکاہارا زمانہ آ اُترتا ہے

زمانہ رقص کرتا ہے
زمانہ رقص کے عالم میں جب اس باب کی دہلیز سے ہو کر گزرتا ہے،
تو سکھ کا سانس لیتا ہے

وہ خوشبو جو اجودھن کے گلی کوچوں میں رقصاں تھی
نظام الدین کے ہم رہ وہ دہلی شہر کی جانب پلٹ آئی
نظام الدین دہلی میں محبت کی علامت تھا
وہ ایسا صاحبِ دل تھا
کہ اُس کے دل میں دہلی شہر کے سارے مکیں آباد تھے ایسے
کہ جیسے پھول کے آنگن میں خوشبو رقص کرتی ہے
وہ ایسا صاحبِ دل تھا
کہ شاہوں کو زیارت کی اجازت بھی نہ دیتا تھا ادائے کج کلاہی سے
اگر اُس سے کسی شہ نے اُلجھنے کا کبھی سوچا
کہیں اپنے دلِ ویران کے تاریک گوشے میں

تو پھر اُس کے جلالِ بے نیازی سے وہ بچنے بھی نہیں پایا
'کہ دلّی دور ہے اب بھی' سے ظاہر ہے جلال اُس کا
'ولی اندا ختم در گِل' بھی اُس کا قولِ فیصل ہے
مگر وہ شہرِ دہلی میں محبت ہی محبت تھا
نظام الدین جب جلوہ نما تھا شہرِ دہلی میں
وہ اپنی ذات میں اک چاند تھا اور آسمانِ چشت پر اس کی
ضیا پھیلی ہوئی تھی
اور ہزاروں قافلے اس کی زیارت کرنے آتے تھے
بدایوں سے
اجودھن اور ہانسی سے
دیارِ خواجہ اجمیر سے
بغداد سے
بصرے کی خوش آثار گلیوں سے
وہ مکے اور مدینے سے نجف کے راستے بصرے سے ہوتے خواجگانِ چشت کی بستی
سے دہلی شہر کی جانب رواں تھے
اور نظام الدیں جلوہ نما تھا شہرِ دہلی میں
نظام الدیں: حَسن اور خسروِ شیریں بیاں کا مرشدِ کامل
وہ جس کا چہرۂ انور بقولِ شیخ شیرازی: تماشا گاہِ عالم تھا
وہ جب جلوہ نما تھا شہرِ دہلی میں
وجود اس کا محبت کی علامت تھا

وہ دہلی کا چراغ جاوداں مسند نشیں تھا اُس کے حجرے میں
نصیر الدین اُس کا نام تھا
اور محفلیں خیر المجالس تھیں
اور اس کی خوش کلامی کے سبھی موسم ابد آثار تھے اپنے تناظر میں
کمال الدین علامہ بھی اُس کی ریزہ چینی میں بہت خوش تھے
سراج الدین تھے، یا پھر سفر تھا، یا کہانی تھی
اور اب کے اِس کہانی کا سفر گجرات کی جانب رواں تھا
پھر کئی صدیاں کہانی کا سفر گجرات میں برپا رہا تھا
اور وہ اک گھر تھا کہ جس پر نور کی بارش برستی تھی
وہ اک گھر ہے کہ جس پر آج بھی انوار کے رنگوں کی بارش ہے
وہ گھر گجرات میں حضرت سراج الدین کا گھر تھا
کہانی جب کئی صدیاں سفر کر کے سراج الدیں کے گھر پہنچی، تو پھر صدیوں تلک کچے سے
حجرے کے کسی گوشے میں وہ چلہ کشی میں محو رہتی تھی
سراج الدین سے لے کر، مدینے کے مہاجر شیخ یحییٰ تک کہانی اس دیارِ نور سے باہر نہیں نکلی
وہ جب گجرات سے نکلی تو پھر سیدھی مدینے شہر میں پہنچی
طوافِ شہرِ خوش آثار میں رقصاں رہی کتنے ہی برسوں تک
کہ پھر فرمان اس کے کوچ کا آیا
کہ اب جاؤ جہاں آباد دہلی میں رہو
خلقِ خدا کے دُکھ سمیٹو تم
کہانی شہ کلیم اللہ کی صورت اوڑھ کر آئی جہان آباد میں،
اس کے جلو میں اب محبت کی عجب خوشبو ہویدا تھی

جہان آباد کا عامی بھی اس میں سانس لیتا تھا
شہِ دہلی بھی اس خوشبو میں رقصاں تھا
وہ خوشبو چشت کی خوشبو ____ ہزاروں رنگ اس خوشبو سے
پھوٹے تھے
وہ خوشبو اب جہان آباد سے نکلی 'اورنگاباد' پہنچی ____ اور پھر
دہلی پلٹ آئی
وہ خوشبو تھی
کہانی تھی
جہان آباد دہلی تھی
جہاں فخرِ جہاں مسند نشیں تھا اس کے حجرے میں کئی بیدل
اسیرِ زلف تھے، دل ہار بیٹھے تھے
وہ جے پور کے ضیاء الدین تھے
یا خواجۂ نورِ محمد تھے مہاراں کے
بریلی شہر کے خواجہ نیاز احمد تھے
یا دہلی کے قمر الدین منت تھے
نظام الملک بھی فتراک میں بسمل پڑے تھے
اور شۂ دہلی بھی شامل تھا غلاموں میں
جہان آباد دہلی میں شہِ فخرِ جہاں مسند نشیں تھا
اور زمانہ اس کے قدموں میں پڑا تھا اور بہت خوش تھا
وہ خوشبو جو جہان آباد سے نکلی 'اورنگاباد' پہنچی ____ اور پھر
دہلی پلٹ آئی

وہ دہلی میں کئی برسوں تلک رقصاں رہی ہر سُو
مگر اب کے اُسے پنجاب جانا تھا
وہ خوشبو اس کہانی کا سراپا اوڑھ کر نکلی جو صدیوں سے سفر کرتی
ہزاروں بستیوں میں گھومتی پھرتی مہاراں شہر میں پہنچی،
تو اس شہرِ ابد آثار میں گم ہو گئی تھی وہ

یہ وہ بستی ہے جس کو آسماں جھک کر سلامی دینے آتا ہے
یہ وہ بستی ہے جس پر بامِ مشرق سے اُبھرتا مہرِ رخشندہ اُترتا اور ننگے پاؤں چلتا ہے
وہ اس کی خاک کو مٹھی میں بھر کر اپنی آنکھوں سے لگاتا، چومتا ہے
اور پھر واپس پلٹتا ہے
یہ وہ بستی ہے جس پر چاند: راتوں میں اُداسی اور خاموشی کی بُکل
مار کر آتا ہے اور اس کے گلی کوچوں میں
خوشبو اپنے دامن میں سمو کر رقص کرتا ہے
دھمالیں ڈالتا ہے
اور کبھی انوار کے ہالے بناتا ہے
کبھی وہ خواجۂ نورِ محمد کے حریمِ ناز میں دھونی رماتا ہے
عجب حسنِ ارادت سے قدم بوسی کی خوشبو اپنے دامن میں
سمو لیتا ہے اور پھر موسموں کو دان کرتا ہے

کبھی وہ دھیان کے موسم کے باطن میں اُتر کر خواب کی محفل
سجاتا ہے

کبھی وہ آ گہی کے بادلوں کی اوٹ سے باہر نکل کر چاندنی کو
اوڑھ لیتا ہے
کبھی وہ چودھویں شب میں عقیدت کا سراپا اوڑھ لیتا ہے
کبھی چپ چاپ اس کے زاویے میں آ نکلتا ہے
جہاں مجلس بپا ہوتی ہے
اس میں بیٹھ کر وہ خوش کلامی کے کئی منظر سجا لیتا ہے
اپنی چشمِ خوش آ ثار کے آ نگن میں اور پھر
ان سے کتنے موسموں کے خواب بُنتا ہے
کبھی خلوت کدے میں آن کر سرگوشیاں کرتا ہے اس سے
اور کبھی وہ نور کی خیرات لیتا ہے
یہ وہ بستی ہے جس پر نور کی برسات ہوتی تھی
یہ وہ بستی ہے جس پر نور کی برسات ہوتی ہے
یہ وہ بستی ہے جس میں علم کی سوغات بٹتی تھی
محبت عام تھی اس کے گلی کوچوں میں اور دن رات بٹتی تھی
یہ وہ بستی ہے جس کو آسماں جھک کر سلامی دینے آتا ہے

وہ تونسہ ہے
جہاں اجمیر، دہلی اور اجودھن کے سبھی موسم خیال و خواب کے رنگوں
کی تجسیمی فضا میں ڈھل گئے ہیں اور وہ خوش آ ثار بستی ہے
کہ جس کے سب گلی کوچے مہاراں شہر کی مہکار کی
ایسی علامت بن گئے ہیں

جو کہ اپنی اک کہانی لکھ رہی ہے اور کہانی جس کا پس منظر ابد کے طاق پر رکھے
دیے کے نور سے روشن ہے اور اس کی ضیا ساری کہانی کے مناظر کو اجودھن اور مہاراں
کی زمیں سے جوڑ کر
لکھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے
کہانی جو تحیّر کا سراپا اوڑھ کر حسنِ عقیدت کے طلسماتی جہاں میں
طاق کے اوپر دھری ہے اور ابد کے طاق پر رکھے دیے کی لو مسلسل بڑھ رہی ہے
اور زمانہ دیکھتا جاتا ہے حیرانی کے موسم میں!

وہ تونسہ ہے

جہاں طاقِ ابد پر خواجگانِ چشت نے اپنا چراغِ جاوداں
روشن کیا ہے یہ چراغِ جاوداں صدیوں سے اک ایسی
کہانی لکھ رہا ہے
اب جسے وہ جاودانی لکھ رہا ہے نور کی خوشبو سے اور احساس کے
رنگوں کے موسم میں

وہ تونسہ ہے
جہاں اجمیر، دہلی اور اجودھن کے سبھی خوش رنگ موسم
ایک تجسیمی فضا کا اِستعارہ بن گئے ہیں
اور وہاں شہرِ مہاراں کا تمدن خواب رنگوں میں مجسم ہو گیا ہے
اور زمانہ دیکھتا جاتا ہے اور حیرت زدہ بھی ہے

قندیلِ سلیماں۔۔۔

وہ تونسہ ہے
ابد کے طاق پر رکھے دیے کی لو مسلسل بڑھ رہی ہے
اور زمانہ دیکھتا جاتا ہے حیرانی کے موسم میں!
زمانے کا سفر شہرِ ابد کی سمت جاری ہے
اور اب کے یہ سفر تونسے سے دہلی اور اجودھن اور مہاراں سے
دیارِ خواجۂ اجمیر کی جانب رواں ہے
اور زمانہ دیکھتا جاتا ہے
اور حیرت زدہ بھی ہے

کہانی جو کہ مکے اور مدینے اور نجف کے راستے کتنے زمانوں کا
سفر کرتی ہزاروں بستیوں میں گھومتی پھرتی
دیارِ شمس دیں میں آن اُتری تھی
کہانی کے جلو میں خواب تھے حسنِ تمنا کے
یہ دو صدیوں کا قصہ ہے
مگر اس میں کئی صدیوں کی خوشبو سانس لیتی ہے
یہ قصہ اُس کہانی کے طلسماتی اُفق کا ایک حصہ ہے
جو صدیوں سے ابد کے طاق پر رکھی ہوئی دستِ ہنرور کی
کرامت کا عجب منظر بناتی ہے

یہ دو صدیوں کا قصہ ہے
کہ اس بستی نے مغرب کی طرف اپنے سفر کی ا: دا کی تھی

وہ دریا کے کنارے چل کے تونسہ شہر میں پہنچی تھی
اور اپنی جبینِ شوق کو اُس سرزمیں پر رکھ دیا تھا
پھر ابد کے طاق پر رکھے چراغِ چشتیاں کے نور سے معمور
جب واپس وہ پلٹی تھی
تو پھر اس کے جلو میں اک زمانہ رقص کرتا آ رہا تھا
ہر طرف مہکار تھی اس کی
وہ بستی تھی سیالوں کی
جو تونسے کے ابد آباد اور شاداب موسم میں مراقب تھی

یہ دو صدیوں کا قصہ ہے
اور اِس قصے کے سارے منظروں میں ایک خوشبو ہے
اور اس خوشبو کے سارے رنگ اُس موسم سے پھوٹے ہیں
وہ موسم جو کہ تونسے میں ابد کے طاق پر رکھا ہوا ہے
اور اس میں تازگی کے سب قرینے جاگ اُٹھے ہیں
وہ شادابی کہ جو اس شہر سے پھوٹی، کئی رنگوں میں بکھری اور زمانے بھر کو مہکاتی ہوئی شہرِ
محبت میں اُتر آئی
وہ جس شہرِ محبت میں اُتر آئی

وہ شہرِ گولڑہ ہے اور محبت کی علامت ہے، وہ خوشبو کا نگر ہے
اور خیال و خواب کے موسم اسی شہرِ محبت کی
ہواؤں سے معطر ہیں

اور اس شہرِ محبت میں محبت رقص کرتی ہے
محبت خواب ہے
اور خواب کے موسم میں برگ و بار لاتی ہے
کبھی وہ خواب کے آنگن میں تجسیمی ردائیں اوڑھ لیتی ہے
کبھی وہ خواب کی خود خواب میں تجسیم کرتی ہے
کبھی تجسیم کے موسم میں پھیلی اُس کہانی کے مناظر اک نئے
اسلوب کی خوشبو میں لکھتی ہے
کبھی ایسی کہانی کا سراپا اوڑھ لیتی ہے
کہانی: جو کہ صدیوں سے سفر کرتی، ہزاروں بستیوں میں گھومتی پھرتی
دیارِ خواجۂ اجمیر میں آ کر سکوں کا سانس لیتی ہے
کبھی دِہلی سے ہانسی اور اجودھن جا نکلتی ہے
تو اِن صدیوں کے سارے منظروں کا پیش نامہ
ایک ہی موسم کے رنگوں کی علامت بن کے
ڈھل جاتا ہے اک ایسی کہانی میں
کہانی جو کہ مکّے اور مدینے اور نجف کی خاک میں اُگتی
اور ان شہروں کی خوشبو سے مہکتی آ رہی ہے
کتنی صدیوں کا سفر کر کے

یہ اِک چھوٹے سے بچے کی کہانی ہے
وہ بچہ خود کہانی ہے
وہ بچہ اِک سفر ہے اور کہانی اس سفر کا استعارہ ہے

وہ بچہ ایک پسماندہ سے گاؤں کے کسی کچے سے گھر میں
اپنی ماں کا ہاتھ پکڑے رو رہا تھا
اور کہانی ایک پسماندہ سے گاؤں کے کسی کچے سے گھر سے
پابرہنہ ہو کے نکلی تھی
اُسے اس سرزمیں کی خاک پر اپنی جبینِ شوق دھرنی تھی
جسے حُسنِ ازل نے اس کی قسمت کر دیا تھا
اب سفر اور یہ کہانی لازم و ملزوم ہیں شاید
کہانی اس سفر کا استعارہ ہے
سفر اب اس کہانی کی علامت ہے
یہ اک چھوٹے سے بچے کی کہانی ہے

وہ بچہ اپنی ماں کا ہاتھ پکڑے اس دیارِ نور میں گُم سُم کھڑا تھا
اور کہانی اک نئے موسم کی خوشبو سے مہکتی جا رہی تھی
پھر اچانک نور اور خوشبو مجسم ہو کے اُس لمحے کو روشن کر رہے تھے جس میں وہ
بچہ______!
وہ بچہ جو کہ ماں کا ہاتھ پکڑے رو رہا تھا اور اسی عالم میں
اک خوشبو نے اس روتے ہوئے بچے کے سر پر ہاتھ رکھا تھا عجب حُسنِ محبت سے
وہ بچہ آج بھی اُس لمس کو محسوس کرتا ہے

(تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے۔)

رسالہ: سہ ماہی فروغِ نعت

شمارہ: جولائی تا ستمبر ۲۰۱۳ء

مدیر: سید شاکر القادری چشتی نظامی

ناشر: فروغِ نعت اکادمی، اٹک

مبصر: ڈاکٹر ارشد محمود ناشاؔد

سیّد شاکر القادری اٹک کے خوش فکر شاعر اور ممتاز ادیب ہیں۔انھوں نے اٹک میں نعت خوانی اور نعت گوئی کے فروغ کے لیے ایک اکادمی کی داغ بیل ڈالی ہے۔اس اکادمی کے زیرِ اہتمام نعت خوانی کی ماہانہ محافل کا اہتمام اور نعتیہ مشاعروں کا انعقاد ہوتا ہے جس میں شہر کے معروف شعرا اور نعت خوان حصّہ لیتے ہیں۔ایسی اکادمیوں اور اس طرح کی محافل کا اہتمام موجودہ عہد کی ایک اہم ضرورت ہے کیوں کہ آج کل نعت کی جو محفلیں منعقد ہوتی ہیں، ان کا رنگ ڈھنگ کسی طرح بھی تقدس اور مؤدت کا حامل نہیں ہوتا۔فلمی گانوں کی دھنوں پر لکھی ہوئی کچی پکی نعتیں اس پاکیزہ صنف کے تقدس کی پامالی کا ذریعہ بن رہی ہیں۔نعت خوانوں کا لباس اور ان کا انداز بھی قابلِ اصلاح ہے۔

سیّد شاکر القادری نے اسی اکادمی کے زیرِ اہتمام سہ ماہی نعتیہ مجلّے ''فروغِ نعت'' کا آغاز بھی کیا ہے۔اس وقت فروغِ نعت کا شمارۂ اوّل ہمارے پیشِ نظر ہے۔اداریے میں مدیر نے اس رسالے کے اغراض و مقاصد بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس صنف کے تنقیدی جائزے کی ضرورت و اہمیت کی طرف توجّہ دلائی ہے۔نعت ایک بے حد مشکل صنفِ سخن ہے۔یہ صنف بہت زیادہ حزم و احتیاط کی متقاضی ہے۔کیوں کہ ذرا سی بے احتیاطی خیر و برکت کے اس عمل کو بے کار کر

سکتی ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ نعت کا بیج دل میں پھوٹتا ہے۔عقیدت ومؤدت کی فضا میں پلتا اور جذب وکیف کے ساتھ حسنِ ادا کے سانچے میں ڈھلتا ہے۔تاہم فن کے تقاضوں کا احترام اور التزام بھی ضروری ہے۔کوئی بھی شہ پارہ محض خیال کی ندرت یا پاکیزگی سے کامل صورت اختیار نہیں کر سکتا۔اسی طرح محض فنی عناصر کا مؤثر استعمال بھی فن پارے کی بقا کا ضامن نہیں۔شہ پارہ فکر اور فن کے کامل اشتراک سے وجود میں آتا ہے۔شعرا کو اپنے تخلیق کردہ نعتیہ کلام کو دقتِ نظر اور توجہ سے دیکھنا لازم ہے۔رسالے میں ڈاکٹر عزیز احسن کا خصوصی مقالہ شامل ہے۔اس مقالے میں بھی نعتیہ ادب میں تنقید کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

فروغِ نعت کے پہلے شمارے میں پاکستان بھر کے معروف اور کہنہ مشق شعرا کے ساتھ ساتھ تازہ کار شاعروں کا نعتیہ کلام شامل ہے۔اکثر نعتیں وفورِ جذب وشوق اور عقیدت ومؤدت کا اظہار یہ ہیں۔شعرا نے اپنے اپنے رنگ میں جمالِ رسول ﷺ کی تجلیات کو لباسِ شعر میں ڈھالنے کا جتن کیا ہے۔تاہم بعض نعتیں عجزِ کلام کا نمونہ بھی ہیں۔ان نعتوں میں کئی اشعار حشو وزواید سے گراں بار ہیں۔بندشوں کی سستی، مصرعوں کی عدم پیوستگی، تعقیدِ لفظی ومعنوی کی کثرت اور شتر گربگی کا عیب جا بہ جا دکھائی دیتا ہے۔عمومی اور روایتی موضوعات کی پیش کش اگر بیان کی تازگی سے ہم کنار ہو جائے تو گوارا ہوتی ہے مگر بیان کا عجز ان موضوعات کو قلب ونگاہ کی دُنیا سے ہم کلام نہیں ہونے دیتا۔ان نعتوں میں بھی بعض ایسے اشعار موجود ہیں جو عمومی موضوعات کی تکرار کے حامل ہیں اور بیان کی تازہ کاری سے تہی۔کمپوزنگ کی اغلاط بھی کہیں کہیں اشعار کے حُسن کو مجروح کرنے کا باعث بنی ہیں۔بعض شعرا کے ہاں مصرعے وزن سے خارج ہیں۔خارج از وزن مصرعوں کی نشان دہی ذیل میں کی جاتی ہے:

☆ اجل کے بعد بھی کیوں نہ کھلی رکھوں آنکھیں (سیّد منظور الکونین اقدسؔ)

شاہ صاحب کا شمار صفِ اوّل کے نعت خوانوں میں ہوتا ہے اور انھوں نے بلاشبہ نعت خوانی کے میدان میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔اس مصرعے میں "نہ" کو سببِ خفیف کے

وزن پر نظم کیا گیا ہے جو عروضی اعتبار سے درست نہیں۔

☆ کثرتِ جرم سے میں تباہ ہوگیا، نامہ عصیاں سے میرا سیاہ ہوگیا (ڈاکٹر محمد حسین مشاہدؔ)

☆ فخرِ غلمان وحور وقصور آتا ہے، اِک معظمہ کی جھولی میں نور آتا ہے (ممتاز گورمانی)

☆ آدمی پر راز عبودیت کا افشا کردیا (جنید نسیم سیٹھی)

☆ آئینۂ قلبِ انساں کو مصفا کردیا (جنید نسیم سیٹھی)

☆ تیری قربت کی حسیں رت سے یہ مہکائے ہوئے لوگ (احمد اعجاز قاضی)

☆ خوبیٔ وقت سے جو آپ کے ہمسائے ہوئے لوگ (احمد اعجاز قاضی)

☆ جانے کیسے تھے وہ بد بخت وہ بہکائے ہوئے لوگ (احمد اعجاز قاضی)

☆ ورنہ بے بس تھے ترے سامنے گھبرائے ہوئے لوگ (احمد اعجاز قاضی)

☆ ہوگئے شیر وشکر دشت کے گرمائے ہوئے لوگ (احمد اعجاز قاضی)

☆ تجھ کو پہچان نہیں پائے تھے پتھرائے ہوئے لوگ (احمد اعجاز قاضی)

☆ تیری جانب ہی چلے آئیں گے کملائے ہوئے لوگ (احمد اعجاز قاضی)

☆ پر کہاں ویسے تھے، جیسے ترے اپنائے ہوئے لوگ (احمد اعجاز قاضی)

☆ میرے جیسے بھی پگھل جاتے ہیں برفائے ہوئے لوگ (احمد اعجاز قاضی)

☆ فصحائے عرب نے بھی دانائے عجم نے بھی (سجاد حسین سرمدؔ)

مدیرِ محترم کی خدمت میں التماس ہے کہ مدیر کا کام محض مضامینِ نظم ونثر کی جمع آوری نہیں، انتخاب کی کڑی چھلنی سے گزار کر پیش کرنا بھی ہے۔امید ہے کہ وہ آئندہ ان امور کی طرف توجہ دیں گے۔مزید گزارش یہ ہے کہ نعتیہ کلام کے کڑے انتخاب کے ساتھ ساتھ نعت کے فکروفن اور اُردو کے نعتیہ سرمائے پر مضامین شامل ہونے چاہییں نیز صاحب طرز نعت گو شعرا کے خصوصی مطالعات کا اہتمام بھی کیا جانا چاہیے۔یہ مبارک صنف جس مثالی حزم واحتیاط کی متقاضی ہے، حتی الوسع اس کے التزام کی کوشش کی جانی چاہیے۔

عرس مبارک
حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ
کا ایک پُر نور منظر (بلند دروازہ سے لی گئی تصویر: اگست ۲۰۰۶ء)

مرکزِ انوار و تجلیات
خانقاہِ معلی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ، دہلی، انڈیا

QANDEEL E SULEMAN

نالہ مکھڈ کا ایک دل کش نظارہ

مکھڈ شریف کے پاس دریائے سندھ کا ایک منظر